ماہنامہ

جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

ادارتی بورڈ
مدیر: ندیم عباس
اراکین: عدیل احمد، اسرارالدین اسرار، سمیتا عالم

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 34...شمارہ نمبر 10...اکتوبر 2026

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	با اثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ	

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ’ُکر کے بھیجیں

فہرست

پریس ریلیز 03

سزائے موت کے خلاف چوبیسواں عالمی دن:
زندگی کی کہانیاں 04

پنجاب دہشت گردی کے مقدمات
کے لیے بے چہرہ، خفیہ ٹرائلز چاہتا ہے 05

پاکستان سے افغان میڈیکل طلبہ کی بے دخلی کے
حوالے سے قانونی برادری، ماہرینِ تعلیم اور سول
سوسائٹی کا مذمتی بیان 08

جمہوریہ کے نگہبان: پاکستان میں
جمہوریت کو زندہ رکھنے والے مرد و خواتین 10

جب ریاستیں ناکام اور قومیں
زوال پذیر ہوتی ہیں 15

17 ہزار چیخیں اور 6 فیصد انصاف،
جب گلگت بلتستان بھی محفوظ نہ رہا 17

موسمیاتی شدت اور سیلابوں سے
دنیا بھر میں لاکھوں سکول بند، یونیسف 20

ایچ آر سی پی کا کنونشن محنت کشوں اور ثقافتی تحریکوں کے درمیان نئے اتحاد کا مطالبہ کرتا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیرِ اہتمام 'ثقافتی آزادیوں اور محنت کشوں کے حقوق کی بحالی' کے عنوان سے منعقد ہونے والے ایک کنونشن میں شرکا نے محنت کشوں اور ثقافتی تحریکوں کے درمیان ایک نئے اتحاد کا مطالبہ کیا ہے۔

انسانی حقوق کے کارکن ذیشان نوئل کی نظامت میں شروع ہونے والے اس کنونشن کا افتتاح اداکار خالد انعم نے میاں محمد بخش اور سچل سرمست کا کلام پیش کر کے کیا۔ ایچ آر سی پی کے چیئر پرسن اسد اقبال بٹ نے کہا کہ جمہوریت اور انسانی حقوق کا تحفظ محنت کشوں کی ایک مضبوط تحریک سے مشروط ہے۔

'یکجہتی کی آوازیں' کے عنوان سے پہلے سیشن میں ماہی گیروں کے حقوق کے کارکن طالب کچھی اور آرٹسٹ عمران اللہ ہُنزائی کے ویڈیو پیغامات شامل تھے، جبکہ نذیر قیصر اور اصغر ندیم سید نے اپنی شاعری پیش کی۔ محنت کشوں کے حقوق کے کارکن بوٹا امتیاز مسیح نے سینیٹیشن ورکرز کے لیے یونین بنانے کا مطالبہ کیا، جبکہ پاکستان کسان رابطہ کمیٹی کے فاروق طارق نے کہا کہ یکجہتی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اداکارہ سمیعہ ممتاز نے فنکاروں کے ساتھ معاشرے کے رویے کا موازنہ ان طبقاتی نظام ہائے کار سے کیا جو دستی مشقت کی تحقیر کرتے ہیں۔

حقوق کی فعال کارکن تنویر جہاں کی زیرِ نظامت پینل میں مؤرخ ڈاکٹر علی رضا نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم عصر 'ہائپر پولیٹکس' میں ان اداروں اور یونینز کی کمی ہے جو کبھی ترقی پسند روایت کو زندہ رکھتی تھیں۔ صحافی شہزادہ ذوالفقار نے میڈیا کارکنان کی کم اجرتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی، جبکہ نیشنل لیبر فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری عمر حیات نے بلوچستان میں مزدور یونینز کے کمزور ہونے کا ذکر کیا۔ اسکرپٹ رائٹر بی گل نے کہا کہ سیٹلائٹ ٹیلی ویژن نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ وہ سنجیدہ موضوعات کو غیر سیاسی کہانیوں کے پردے میں چھپا کر پیش کریں۔ صحافی وجاہت مسعود نے دلیل دی کہ محنت کش اور فنکار ایسے مزاحمتی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو ریاست کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ اجوکا تھیٹر کے شاہد محمود ندیم نے کہا کہ سماجی موضوعات پر مبنی ڈرامے کے لیے محنت کشوں کی ایک متوازی تحریک کی ضرورت ہے، جبکہ ایچ آر سی پی کی کونسل ممبر سلیمہ ہاشمی نے ایک ایسی حکمت عملی پر زور دیا جو نئی نسل کو اپنا راستہ خود تلاش کرنے کا موقع دے۔

تیسرے سیشن میں رقاصہ شیما کرمانی، موسیقار ہارون باچا اور اداکار مصطفی قریشی اور ندیم بیگ کے ویڈیو پیغامات پیش کیے گئے، جبکہ اداکارہ و ہدایت کار صبا حمید نے یکجہتی کا اظہار کیا۔ آل پاکستان ورکرز فیڈریشن کے صدر گوہر تاج نے کہا کہ پاکستان میں اب بھی مؤثر کم از کم اجرت کا نظام موجود نہیں ہے۔ مصنف شریف اعوان نے کلاسیکی موسیقی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا، جبکہ وژوئل آرٹسٹ معصومہ سید نے کہا کہ فنکارانہ مزاحمت اکثر بقا کی قیمت پر ہوتی ہے۔ اداکارہ عائشہ طور نے سرمایہ دارانہ نظام میں فنکارانہ آزادی کے لیے آواز اٹھانے سے متعلق مشکلات بیان کیں۔ ایچ آر سی پی کے خزانچی حسین نقی نے کہا کہ شاعر مایوسی کے لمحات میں حوصلے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

کنونشن کے اختتام پر ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے شرکا کی جانب سے منظور کیا گیا ایک چارٹر پیش کیا، جس میں اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ باوقار روزگار کا حق اور آزادانہ تخلیق کا حق ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ چارٹر میں غیر رسمی محنت کشوں سمیت تمام مزدوروں کے لیے باوقار اجرت، محفوظ کام کی جگہوں، سماجی تحفظ، یونین بنانے اور اجتماعی سودا کاری کے حق، مساوی حقوق اور اجرت، امتیازی سلوک اور تشدد سے تحفظ، ثقافتی کام کو محنت کے طور پر تسلیم کرنے، لیبر پالیسی میں محنت کشوں کی شمولیت، اور محنت کش طبقات کے لیے ثقافتی پلیٹ فارمز تک منصفانہ رسائی کا مطالبہ کیا گیا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 19 ستمبر 2026]

سزائے موت کے خلاف 24واں عالمی دن

زندگی کی کہانیاں

ہر سال 10 اکتوبر کو سزائے موت کے خلاف عالمی دن منایا جاتا ہے۔ یہ دن دنیا بھر میں سزائے موت کے خاتمے کی تحریک سے وابستہ افراد اور اداروں کو متحد کرتا ہے اور سول سوسائٹی، سیاسی رہنماؤں، وکلا، عوامی رائے اور دیگر طبقات کو اس مطالبے کی حمایت کے لیے متحرک کرتا ہے کہ دنیا بھر میں سزائے موت کا مکمل خاتمہ ہو سکے۔ یہ دن سزائے موت کے خلاف عالمی جدوجہد کے بارے میں سیاسی اور عوامی شعور کو فروغ دینے اور اسے مزید مضبوط بنانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

10 اکتوبر 2026 اور 2027 کو عالمی دن کا موضوع ان افراد کو انسانی نقطہ نظر سے دیکھنے پر مرکوز ہوگا جو سزائے موت سے متاثر ہوئے ہیں۔ اس مہم کا مقصد ان انسانوں کی زندگیوں اور کہانیوں کو سامنے لانا ہے جن کی آوازیں اکثر نظر انداز، خاموش یا پسِ پشت ڈال دی جاتی ہیں۔

سزائے موت پر اکثر ایک مجرد تصور کے طور پر بحث کی جاتی ہے اور اسے بعض اوقات ایسے افراد کے لیے مناسب سزا سمجھا جاتا ہے جنہیں معاشرہ صرف ''خطرناک مجرم'' یا ''درندہ صفت'' سمجھتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سزائے موت کسی مجرد تصور پر نہیں بلکہ ایک انسان پر عائد کی جاتی ہے — ایسے انسان پر جس کی اپنی زندگی، خاندان، رشتے، جذبات، خواب، امیدیں اور مشکلات ہوتی ہیں۔

یہ مہم اس ضرورت کو اجاگر کرتی ہے کہ قانون سے ٹکراؤ کے پس منظر میں موجود ساختی، سماجی اور انفرادی حالات کو بھی سمجھا جائے۔ غربت، امتیازی سلوک، صدمے اور تشدد کے تجربات، ذہنی صحت کے مسائل، صنفی بنیاد پر تشدد اور دیگر اقسام کے تشدد جیسے عوامل کمزور اور محروم طبقات کو غیر متناسب طور پر متاثر کرتے ہیں اور بعض اوقات کسی فرد کے جرم اور قانون سے تصادم کے راستے کو تشکیل دیتے ہیں۔

انسانی حقوق کا نقطہ نظر ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہر شخص انسانی وقار اور بنیادی حقوق کا حامل ہے، خواہ اس پر کتنا ہی سنگین الزام کیوں نہ ہو۔ کسی فرد کو جرم کے لیے جواب دہ ٹھہرانا اور اس کے بنیادی انسانی حقوق کا احترام کرنا ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔

ان سب کی اپنی اپنی کہانیاں ہیں جنہیں سنا اور سمجھا جانا چاہیے۔ کہانیاں سنانے کا عمل ان افراد کو، جو سزائے موت سے متاثر ہوئے ہیں، اپنی پیچیدہ اور حقیقی زندگی کے تجربات بیان کرنے اور اپنی آواز دوبارہ حاصل کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

سزائے موت کا عملی نفاذ

(ذریعہ معلومات: ایمنسٹی انٹرنیشنل)

113 ریاستوں نے تمام جرائم کے لیے سزائے موت ختم کر دی ہے۔ 9 ریاستوں نے عام جرائم کے لیے سزائے موت ختم کر دی ہے۔

23 ریاستیں عملی طور پر سزائے موت ختم کر چکی ہیں۔

54 ریاستیں سزائے موت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ 2023 میں دنیا میں سب سے زیادہ سزائے موت پر عمل درآمد کرنے والی 5 ریاستیں، ترتیب کے لحاظ سے، چین، ایران، سعودی عرب، یمن اور امریکہ ہیں۔

2025 کے اختتام تک دنیا بھر میں کم از کم 255085 افراد کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ سزائے موت کی سزا کا سامنا کر رہے ہیں، جن میں تقریباً 5 فیصد خواتین ہیں۔

اقدامات کے لیے اپیل

آپ جہاں بھی ہوں... افریقہ، امریکہ، ایشیا، اوشیانا یا یورپ میں، آپ جو بھی ہوں... غیر سرکاری تنظیمیں (ای این جی اوز)، اساتذہ، وکلا، مقامی نمائندگان، پارلیمنٹ کے ارکان، فنکار، صحافی، مذہبی رہنما یا شہری، آپ کے منصوبے جو بھی ہوں... مباحثے، موسیقی کے پروگرام، پریس کانفرنسیں، مظاہرے، پٹیشنز، تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیاں...

10 اکتوبر 2026 کو سزائے موت کے خلاف عملی اقدام کریں!

دنیا بھر میں منعقد کی جانے والی سینکڑوں سرگرمیوں میں شامل ہوں۔ آپ ہماری ورلڈ ڈے رپورٹ میں 2025 کے عالمی دن کے بارے میں مزید پڑھ سکتے ہیں۔

1. ایک اجتماع منعقد کریں۔ یہ مظاہرے، ویبینار، آن لائن ورکشاپ، مباحثے یا فلم کی نمائش، آرٹ نمائش یا تھیٹر پرفارمنس کی شکل میں ہو سکتا ہے۔
2. اپنی کمیونٹی میں ریلیف اور جواب دہی کے عمل کو فروغ دینے والے مقامی سطح کے طریقہ کار کے بارے میں جانیں اور ان میں شامل ہوں، جیسے بحالی پر مبنی انصاف اور تبدیلی پر مبنی انصاف۔
3. اقلیتی گروہوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیموں (خواتین، LGBTQIA+ افراد، مذہبی اقلیتوں، نسلی اقلیتوں وغیرہ) کے ساتھ شراکت داری قائم کریں تاکہ اس بارے میں آگاہی پیدا کی جا سکے کہ امتیازی سلوک کس طرح نفسیاتی اور جسمانی تشدد کو مزید سنگین بنانے والے عوامل میں شامل ہوتا ہے۔

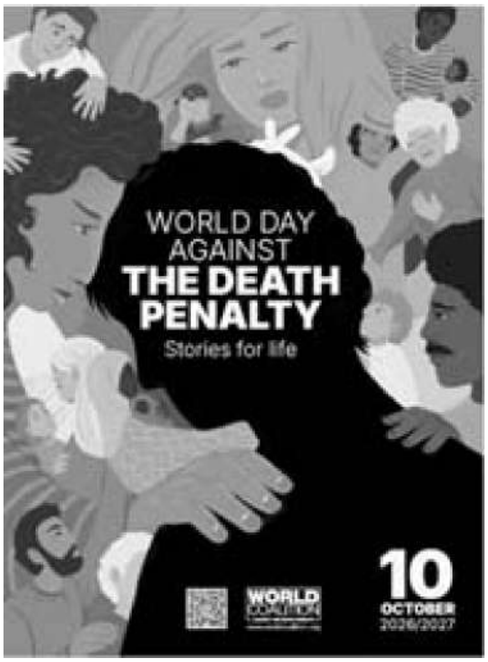

4. سیاسی رہنماؤں پر زور دیں کہ وہ سزائے موت ختم کریں اور حفاظتی نوعیت کی احتیاطی پالیسیوں کو نافذ کریں۔
5. اپنی کمیونٹی اور اس سے باہر امن کے کلچر کو فروغ دیں۔ ایسی پالیسیوں اور اقدامات کی حمایت کریں جو مکالمے اور تنازعات کے پُر امن حل کو فروغ دیں۔
6. دنیا بھر میں سزائے موت کے خاتمے کے لیے منعقد کی جانے والی سرگرمیوں میں شامل ہوں۔ اپنے قریب ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کے لیے ورلڈ کوآلیشن کا صفحہ دیکھیں!
7. سزائے موت کے خاتمے کے لیے کام کرنے والی کسی تنظیم کو عطیہ دیں۔
8. فیس بک، انسٹاگرام اور X پر سوشل میڈیا مہم کو فالو کریں اور #nodeathpenalty ہیش ٹیگ استعمال کرتے ہوئے اپنی مہم شروع کریں۔
9. میڈیا کو متحرک کریں تاکہ سزائے موت کی حمایت کرنے والے سلامتی سے متعلق بیانیے کو چیلنج کیا جا سکے۔ ماہرین کے انٹرویوز، متاثرین کی گواہیوں، مقامی مقدمات کی تحقیقات، اور ایسی آگاہی مہمات کے لیے آواز اٹھائیں جو نقصان اور تشدد کی بنیادی وجوہات کو اجاگر کریں۔
10. مہم کو تشہیر کریں۔

☆☆☆

پنجاب دہشت گردی کے مقدمات کے لیے بے چہرہ، خفیہ ٹرائلز چاہتا ہے

احمر رشید بھٹی

گریڈ 20 کے افسر کو 'غیر معمولی تحفظ' کے مقدمات میں عدالتوں کی 'معاونت' کا اختیار دینے کی تجویز

ذرا ایک ایسی سزائے موت کا تصور کیجیے جس پر کسی کا نام درج نہ ہو۔ استغاثہ کا وکیل گمنام ہو۔ گواہوں کی شناخت صرف نمبروں تک محدود ہو۔ آپ کے پہلو میں بیٹھا شخص شاید آپ کا وکیل ہو، شاید نہ ہو، لیکن آپ کو یہ پوچھنے کی اجازت نہ ہو۔ آپ کے مقدمے کی فائل سر بمہر ہو۔ اور جب آپ اپیل کریں تو وہاں بھی یہی پراسرار اور غیر شفاف صورتِ حال برقرار رہے۔

اب تصور کیجیے کہ پیر کے روز پنجاب اسمبلی کی جانب سے اس طریق کار کو قانون کا حصہ بنائے جانے کے بعد عدالتیں اسی انداز میں کام کریں گی۔

بدقسمتی سے، مجھے اس صورتِ حال کا تصور کرنے کے لیے اپنی تخیل کی کوئی خاص مشقت نہیں کرنی پڑتی، کیونکہ یہ معاملہ میرے لیے بالکل حقیقی ہے۔ میں پنجاب اسمبلی میں حزبِ اختلاف کی نشستوں پر بیٹھتا ہوں، جہاں حکومت کی جانب سے پیش کیے جانے والے قوانین اور مسودات کو پڑھنا تقریباً ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ میں نے بھی یہی پڑھا ہے۔

حکومتی ارکان آپ کو بتائیں گے کہ انسدادِ دہشت گردی (پنجاب ترمیمی) بل 2026 کا مقصد ججوں اور گواہوں کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ ٹھیک ہے۔ اس صوبے میں ججوں کو دھمکیاں دی گئی ہیں، اور پراسیکیوٹرز بھی ان خطرات سے محفوظ نہیں رہے۔ گواہوں کو گولیاں ماری جاتی ہیں، انہیں خریدنے کی کوشش کی جاتی ہے اور انہیں خوف زدہ کر کے گواہی سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ سب باتیں درست ہیں، اور میں اسمبلی کے فلور پر بھی ان کی تصدیق کروں گا۔

لیکن میرا مسئلہ اس کے بعد شروع ہوتا ہے—اس عنوان کے نیچے جو کچھ حکومت نے مجوزہ قانون کے بارے میں لکھا ہے۔

"انسدادِ دہشت گردی ایکٹ 1997 میں مزید ترمیم کا ایک بل، جس کے ذریعے دفعہ 21AAA شامل کی جائے گی: خصوصی سکیورٹی مقدمات کے ٹرائل، انکوائری اور عدالتی کارروائی سے متعلق دفعات۔"

مختصراً، پنجاب حکومت انسدادِ دہشت گردی کے قانون میں بڑی تبدیلیاں کرنا چاہتی ہے تاکہ دہشت گردی کے مقدمات کو خفیہ طور پر چلایا جا سکے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ججوں، پراسیکیوٹرز، دفاعی وکلا اور گواہوں کی شناخت کسی کو معلوم نہیں ہوگی۔ گزشتہ ہفتے حزبِ اختلاف کے رکنِ اسمبلی رانا آفتاب احمد خان نے کھڑے ہو کر اس پر اعتراض کیا اور مؤقف اختیار کیا کہ یہ آئین کے منافی ہے، کیونکہ دہشت گردی کے مقدمات میں بھی ملزمان کو کھلے، منصفانہ اور شفاف ٹرائل کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ بل پر ووٹنگ پیر کے روز کے لیے مؤخر کر دی گئی۔

یہاں یہ بات بھی شامل کرنا ضروری ہے کہ 1997 کا موجودہ قانون پہلے ہی دفعہ 21 کے تحت عدالت کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ ضرورت پڑنے پر کارروائی عوام کے لیے بند کر دے اور عدالتی ریکارڈ میں بعض افراد کے نام ظاہر نہ کرے۔ ہمارے پاس 2018 کا گواہوں کے تحفظ کا قانون بھی موجود ہے، جس کے تحت جیل کے اندر بھی مقدمے کی سماعت کی جا سکتی ہے۔ ان تمام طریق کار کا استعمال ایک جج کی صوابدید پر منحصر ہے۔ تاہم، یہ مجوزہ بل ان اختیارات کو عدالتی اختیار سے نکال کر کسی اور جگہ منتقل کر دیتا ہے۔

اور یہ اختیار آخر کار ایک شخص کے پاس جا پہنچتا ہے۔

مجوزہ بل کے مطابق حکومت گریڈ 20 کے کسی افسر، یا ایسے شخص کو جسے حکومت مساوی حیثیت کا حامل قرار دے، نامزد شدہ اتھارٹی مقرر کر سکتی ہے۔ اس شخص کی شناخت اور اس سے متعلق معلومات خفیہ رکھی جائیں گی۔ صرف لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کو بتایا جائے گا کہ وہ شخص کون ہے۔ مزید یہ کہ بل میں کہیں یہ شرط موجود نہیں کہ یہ نامزد شدہ اتھارٹی لازماً کوئی سویلین شخص ہی ہو۔ گریڈ 20 یا اس کے مساوی عہدے میں بہت سے سرکاری افسر آتے ہیں، جن میں بعض وردی پہن کر فرائض انجام دیتے ہیں۔ جب یہ نامزد شدہ اتھارٹی قائم ہو جائے گی تو عدالت محض ضروری کارروائی اور کاغذی امور مکمل کرے گی۔ یہ اتھارٹی کسی دہشت گردی کے مقدمے کو "غیر معمولی تحفظ" (Extraordinary Protection) کا مستحق قرار دے سکتی ہے، یا اس سے بھی آگے بڑھ کر مقدمات کی ایک پوری قسم کو اس زمرے میں شامل کر سکتی ہے، جس سے انسانی حقوق اور عدالتی نگرانی کے حوالے سے سنگین سوالات جنم لیں گے۔

ان کی درخواست پر چیف جسٹس اس مقدمے کی فائل انسدادِ دہشت گردی عدالت کے کسی جج کو بھیجیں گے۔ انسدادِ دہشت گردی کے مقدمے کا انسدادِ دہشت گردی عدالت کے جج کے سامنے جانا بذاتِ خود کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ یہ پہلے ہی قانون کا حصہ ہے۔ اصل تشویش اس درخواست کے اختیار اور نوعیت میں ہے۔

انسانی حقوق کے نقطہ نظر سے بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر کسی مقدمے کو معمول کے عدالتی طریق کار سے ہٹا کر ایک خصوصی اور خفیہ نظام میں منتقل کیا جائے تو کیا اس فیصلے کی بنیاد واضح قانونی معیار پر ہوگی، کیا اس پر آزاد عدالتی نگرانی موجود ہوگی، اور کیا ملزم کے منصفانہ مقدمے، دفاع کے مؤثر حق، قانونی نمائندگی اور مؤثر اپیل کی ضمانتیں برقرار رہیں گی؟

ججوں اور گواہوں کو حقیقی سکیورٹی خطرات سے بچانا ریاست کی جائز ذمہ داری ہے، لیکن حفاظتی اقدامات اس حد تک نہیں جانے چاہییں کہ عدالتی عمل کی شفافیت، عدالتی آزادی اور ملزم کے بنیادی انسانی حقوق متاثر ہوں۔

سکیورٹی ضروری ہو سکتی ہے، لیکن سکیورٹی کے نام پر منصفانہ مقدمے کی بنیادی ضمانتوں کو ختم کرنا انسانی حقوق کے

اصولوں کے ساتھ مطابقت کا اہم سوال پیدا کرتا ہے۔

جب یہ نامزد اتھارٹی قائم ہو جائے گی تو عدالت صرف کاغذی کارروائی مکمل کرے گی۔ اتھارٹی یہ قرار دے سکتی ہے کہ دہشت گردی کا کوئی مقدمہ ''غیر معمولی تحفظ'' کا معاملہ ہے، یا اس سے بھی بڑھ کر، مقدمات کی ایک پوری قسم کو اس زمرے میں ڈال سکتی ہے۔ اس کی درخواست پر چیف جسٹس فائل ایک انسدادِ دہشت گردی عدالت (CourtAnti-Terrorism) کے جج کو سونپیں گے۔ کسی ATA مقدمے کا ATA جج کے پاس جانا بذاتِ خود کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ یہ پہلے ہی قانون میں موجود ہے۔ غیر معمولی بات اس درخواست میں ہے۔

اس کے بعد یہ نامزد افسر مقدمے کو ایک خفیہ طریق کار کے تحت چلاتا ہے، اور اس طریق کار میں یہ بھی درج ہے کہ چیف جسٹس پیروی کرے گا۔ وہ مقدمہ معمول کے عدالتی روسٹر پر نہیں رکھتا۔ پھر یہ افسر پانچ افراد پر مشتمل پینل میں سے ایک سرکاری وکیل منتخب کرتا ہے۔ وہ گواہوں کو خفیہ کوڈ فراہم کرتا ہے۔ وہ جیل سے ویڈیو کے ذریعے ہونے والی سماعت کے قواعد خود تحریر کرتا ہے۔ ایسے احکامات جاری ہوتے ہیں جن پر کسی شخص کا نام درج نہیں ہوتا۔ آوازیں تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ مقدمے کی فائل اس افسر اور چیف جسٹس کے درمیان سربمہر رہتی ہے، اور اپیل کی عدالت کو بھی اسی طرح حقائق اور کارروائی سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔

وزارتِ خزانہ اسے مسلسل عدالت کے لیے ''معاونت'' قرار دیتی ہے — ایسی معاونت جو بظاہر جج کو کسی معاملے کا اختیار اپنے پاس رکھنے دیتی ہے۔ لیکن اس کا حاصل دراصل یہ ہے:

ایک شخص ایک تاریک کمرے میں زوم ویڈیو کال پر بیٹھا ہو، جہاں صرف اس کا اپنا کیمرہ آن ہو، اور اسے سزائے موت سنائی جا سکتی ہو — اسے یہ معلوم ہوئے بغیر کہ اس کا فیصلہ کس جج نے کیا، اس کے خلاف مقدمہ کس نے چلایا، اس کے خلاف گواہی کس نے دی، یا اس کا اپنا وکیل واقعی اس کی نمائندگی کر رہا ہے یا نہیں۔

آپ اسے کوئی بھی نام دے دیں — کوئی ''طریق کار'' کہیں، کوئی ''فورم'' کہیں، یا وہی نام استعمال کریں جو مسودے کے نوٹ میں دیا گیا ہے۔ لیکن یہ وہ عدالت نہیں ہے جسے ہمارا آئین اور دنیا عدالت کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔

آرٹیکل 10-A آئین میں عین اسی نوعیت کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے شامل کیا گیا تھا۔ اگر کسی شخص پر کسی جرم کا الزام عائد کیا جائے تو اسے منصفانہ مقدمے اور قانونی طریق کار کے مکمل حق کی ضمانت حاصل ہے، بس بات ختم۔

آرٹیکل 9 — زندگی اور آزادی صرف قانون کے مطابق۔

آرٹیکل 14 — کے مطابق انسانی وقار ناقابلِ تنسیخ ہے۔

آرٹیکل 25 ہر شخص کو ایک ہی قطار میں کھڑا رکھتا ہے، اور یہی اصول اس بات کو روکتا ہے کہ ایک شخص کا مقدمہ کھلی عدالت میں چلایا جائے جبکہ دوسرے کا مقدمہ ایک بند کمرے میں، صرف اس لیے چلایا جائے کہ ایک ایسے افسر نے، جس کا نام تک کوئی نہیں بتا سکتا، اسے مناسب قرار دے دیا۔

اور دنیا کا تقریباً ہر وہ قانونی نظام جس سے میں واقف ہوں، منصفانہ مقدمے سے کم و بیش یہی مراد لیتا ہے۔ آپ جج کو دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ الزام کیا ہے۔ آپ اپنا وکیل خود منتخب کرتے ہیں۔ آپ کو شواہد کو جانچنے اور ان پر جرح کرنے کا موقع ملتا ہے۔ آپ کو فیصلے کی وجوہات دی جاتی ہیں۔ اور اپیل کا عمل واقعی کوئی کردار ادا کرتا ہے۔

> بند کمرے میں کارروائی کا حکم کسی جج کی طرف سے آنا چاہیے جس نے کسی مخصوص مقدمے کی فائل پڑھی ہو اور اس کے دروازے بند رکھنے کی وجوہات بھی بیان کی ہوں۔ یہاں معاملہ یہ ہے کہ یہ پابندی کسی مخصوص مقدمے کے جائزے کے بعد نہیں بلکہ ایک دفتر کی طرف سے پہلے ہی، اجتماعی طور پر، طے شدہ شکل میں آ رہی ہے۔

جج کا نام ہٹا دیں تو جج کے الگ ہونے (recusal) کا تصور بھی ختم ہو جاتا ہے۔ آپ کسی خالی جگہ سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مقدمے سے الگ ہو جائے۔ آپ یہ بھی نہیں جانچ سکتے کہ عدالت ابتدا ہی میں قانونی طور پر درست طریقے سے تشکیل دی گئی تھی یا نہیں — اور لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ بھی ایک ایسا بنیادی قانونی معاملہ ہے جس پر سوال اٹھانے کا آپ کو حق حاصل ہے۔ آخر میں آپ کے ہاتھ میں صرف ایک ایسا صفحہ رہ جاتا ہے جس پر دستخط ہوتے ہیں: ''زیرِ صدارت افسر''۔

قانونی طریقہ کار کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے اوپر الزام لگانے والے کے بارے میں اتنا ضرور معلوم ہونا چاہیے تاکہ جرح مؤثر طور پر کی جا سکے۔ لیکن انتظامیہ کی طرف سے دیے گئے خفیہ کوڈز اور مسخ شدہ آوازیں، جنہیں اس وقت استعمال کیا جائے جب کسی جج نے پہلے فائل دیکھ کر یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہو کہ ایسی رازداری واقعی ضروری ہے، گواہ کے کٹہرے کو دیوار پر نصب ایک اسپیکر میں تبدیل کر دیتی ہیں۔

کسی شخص کو ایسی آواز کی بنیاد پر سزائے موت دے دینا، جسے اسے پرکھنے اور اس پر جرح کرنے کی اجازت ہی نہ دی گئی ہو، دراصل ایک انتظامی فیصلہ ہے جس پر صرف جج کے دستخط ثبت کر دیے گئے ہوں۔

میں یقیناً اس پر اپنا نام دستخط نہیں کروں گا۔

اپنی پسند کا وکیل رکھنے کا حق ایک وجہ سے اہم ہے جسے لوگ اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر دفاعی وکیل کو بھی محفوظ گواہ کی طرح اسی رازداری کی فہرست میں ڈال دیا جائے تو ملزم کے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا کہ وہ وکیل دراصل کس کی ہدایات پر عمل کر رہا ہے۔ خود ملزم کی، یا ان افسران کی جنہوں نے فائل کو خفیہ قرار دیا ہے؟ وہ کمرے میں اکیلا ہے اور اسے اس کا جواب کبھی معلوم نہیں ہوگا۔

اپیل کے مرحلے پر پورا نظام بکھر جاتا ہے۔ اے ٹی اے پہلے ہی یہ تقاضا کرتا ہے کہ مقدمے کا ریکارڈ چند دنوں کے اندر اوپر بھیجا جائے۔ آئین پہلے ہی ہر ماتحت عدالت کو ہائی کورٹ کی نگرانی میں رکھتا ہے۔ اب اگر فائل کو چیف جسٹس اور ایک خفیہ افسر کے درمیان سربمہر کر دیا جائے، اپیل سننے والے بینچ سے ٹرائل جج کی شناخت بھی چھپا دی جائے، تو مجھے بتائیے کہ ہائی کورٹ آخر کس چیز کا جائزہ لے رہی ہے؟ ایک ایسی الماری کا جسے وہ کھول ہی نہیں سکتی۔

بند کمرے میں کارروائی کا حکم کسی جج کی طرف سے آنا چاہیے جس نے کسی مخصوص مقدمے کی فائل پڑھی ہو اور اس کے دروازے بند رکھنے کی وجوہات بھی بیان کی ہوں۔ یہاں معاملہ یہ ہے کہ یہ پابندی کسی مخصوص مقدمے کے جائزے کے بعد نہیں بلکہ ایک دفتر کی طرف سے پہلے ہی، اجتماعی طور پر، طے شدہ شکل میں آ رہی ہے۔

جمعرات کو اپوزیشن نے ان اعتراضات کو اٹھایا۔ سینئر پارلیمانی رکن رانا آفتاب احمد خان نے پوائنٹ آف آرڈر اٹھایا اور مطالبہ کیا کہ رولنگ دی جائے کہ یہ بل سرے سے ایجنڈے پر آنے کا اہل ہی نہیں تھا۔ قانون سازی کے اختیار کا سوال بھی اٹھا، جیسا کہ لازماً اٹھنا تھا۔ ہاں، یہ اسمبلی فوجداری قانون سازی کر سکتی ہے۔ لیکن جہاں ہماری شق اور پارلیمنٹ کی شق دونوں بیک وقت برقرار نہیں رہ سکتیں، وہاں پارلیمنٹ کی قانون سازی غالب ہوگی، اور اے ٹی اے وفاقی پارلیمنٹ کا قانون ہے۔

اس کے بعد وزیرِ خزانہ و پارلیمانی امور، مجتبیٰ شجاع الرحمٰن، نے چیئر سے درخواست کی کہ بل کو مؤخر کیا جائے اور اسے زیرِ غور لانے کے لیے وقت دیا جائے۔ چیئر نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اگلے ہی روز، جمعہ کو، یہ بل بغیر کسی ترمیم کے دوبارہ ایجنڈے پر واپس آ گیا۔ خدشہ ہے کہ اسے پیر کو ایک بار پھر ایجنڈے میں شامل کیا جائے گا۔

پوائنٹ آف آرڈر کو اس طرح دفن نہیں کیا جاتا۔ چیئر ایوان کا محافظ اور نگران ہوتا ہے۔ ایک رکن نے باضابطہ رولنگ طلب کی ہے۔ حکومت کے اپنے وزیر نے وقت مانگا ہے۔ اس مسودے کو دوبارہ ایوان میں پیش کرنے سے پہلے اسے دونوں جانب کے ارکان پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی کے پاس جانا چاہیے، اور چیئر کو تحریری طور پر یہ فیصلہ دینا چاہیے کہ آیا یہ بل سرے سے ایجنڈے پر شامل کیے جانے کے لیے قانونی طور پر اہل بھی تھا یا نہیں۔ جب تک وہ رولنگ تحریری شکل میں سامنے نہیں آتی، اس بل پر کارروائی جاری رکھنا دراصل ایوان کی جانب سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ جمعرات کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

میں قانون سازی کے اختیار یعنی competence کے خلاف دلیل پیش کروں گا، اور میرے خیال میں یہ ایک مضبوط دلیل ہے۔ لیکن اس کے بعد جو سوال پیدا ہوتا ہے، وہ میرے لیے اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ فرض کریں کہ بالآخر کوئی عدالت یہ قرار دے دیتی ہے کہ ایک صوبہ اے ٹی اے میں مداخلت یا اس میں ترمیم کر سکتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ ایسا مقدمہ نہیں بنا سکتے جس میں کسی ملزم کو کبھی یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اسے سزا سنانے والا کون تھا اور اس کے خلاف گواہی دینے والا کون تھا۔

حکومتی بنچوں پر بیٹھا کوئی شخص یہ دلیل دے گا کہ دوسری اسمبلیاں پہلے ہی اسی قانون میں ترمیم کر چکی ہیں، اس لیے پنجاب بھی ایسا کر سکتا ہے۔ بلوچستان نے گزشتہ سال ستمبر میں واقعی اس شق سے ملتی جلتی ایک شق منظور کی تھی۔ لیکن یہ کوئی قانونی نظیر نہیں ہے۔ کوئٹہ میں منظور کیا گیا کوئی غیر آئینی قانون صرف اس لیے آئینی نہیں ہو جاتا کہ اسے پہلے شائع کر دیا گیا تھا۔ یہ ایوان پاکستان کے آئین کا پابند ہے، نہ کہ اس شخص یا ادارے کا جس نے سب سے پہلے قانون سازی کر دی۔

مجھے بار بار کہا جاتا ہے کہ یہ غیر معمولی حالات ہیں۔ ہم سب یہ جملہ پہلے بھی سن چکے ہیں۔

اے پی ایس کے بعد کسی نے عام قانون اور ایک بریفنگ کے ذریعے عدالت کی کوئی نئی قسم تخلیق کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسے 21ویں آئینی ترمیم کے ذریعے آئین میں شامل کیا گیا۔ فوجی عدالتیں، مقدمات کی ایک متعین قسم، دو سال کی مدت — اور اگر پارلیمنٹ اسے دوبارہ نہ لاتی تو یہ انتظام ختم ہو جاتا۔ 9 مئی کے بعد جب یہی رجحان دوبارہ سامنے آیا تو کسی نے شارٹ کٹ اختیار کرنے کی کوشش ضرور کی۔ شہریوں کو آرمی ایکٹ کی دفعہ 2(1)(d) کے تحت کورٹ مارشل کے لیے بھیجا گیا۔ نہ کوئی آئینی ترمیم، نہ کوئی مدتِ اختتام، صرف پہلے سے موجود قانون کا سہارا۔ سپریم کورٹ نے 2023 میں اسے کالعدم قرار دے دیا۔ اور یہ مقدمات دوبارہ اسی وقت زندہ ہوئے جب خود عدالت کی ساخت تبدیل کی گئی، 26ویں آئینی ترمیم کے تحت ایک آئینی بینچ تشکیل دیا گیا، اور اسی بینچ نے سابقہ فیصلہ واپس لے لیا۔ یہی وہ قیمت ہے جو اس ملک میں ہمیشہ اس وقت وصول کی گئی ہے جب کسی شہری کو عام عدالتی نظام سے نکال کر الگ راستے پر ڈالا گیا۔ آئین میں ترمیم کریں، یا ملک کی اعلیٰ ترین عدالت ہی کو اس طرح از سرِ نو ترتیب دیں کہ وہ آپ کو روکنے کے قابل نہ رہے۔ فوجی آمریتوں کے ادوار میں اس سے کہیں کم سخت قوانین کو بھی آئینی عدالتوں نے قبول نہیں کیا۔

> بند کمرے میں کارروائی کا حکم کسی جج کی طرف سے آنا چاہیے جس نے کسی مخصوص مقدمے کی فائل پڑھی ہو اور اس کے دروازے بند رکھنے کی وجوہات بھی بیان کی ہوں۔ یہاں معاملہ یہ ہے کہ یہ پابندی کسی مخصوص مقدمے کے جائزے کے بعد نہیں بلکہ ایک دفتر کی طرف سے پہلے ہی، اجتماعی طور پر، طے شدہ شکل میں آ رہی ہے۔

مہرم علی وہ مقدمہ ہے جس کا حوالہ وہ دیں گے، بشرطیکہ قانون کے محکمے میں کسی نے اسے واقعی پڑھا ہو۔ انہیں اسے مکمل پڑھنا چاہیے۔ سپریم کورٹ نے انسدادِ دہشت گردی کی عدالتوں کو صرف ایک شرط پر برقرار رہنے دیا تھا: یہ کہ وہ عدالتوں کی طرح ہی کام کرتی رہیں۔ مدتِ تعیناتی ہو۔ ایسا طریقِ کار ہو جو واقعی عدالتی طریقِ کار سے مشابہ ہو۔ اور ایسی اپیل ہو جس کا ہائی کورٹ حقیقتاً جائزہ لے سکے۔

اس کے اگلے سال لیاقت حسین کیس میں یہ بات واضح کی گئی کہ شہریوں کے لیے کوئی الگ فورم صرف اس بنیاد پر قائم نہیں کیا جا سکتا کہ حالات کا ایک ہفتہ خونریز گزرا تھا۔ اپنا جواب آئین کے اندر تلاش کریں، یا پھر کوئی جواب نہ تلاش کریں۔ ایک بے نام جج، سر بمہر اپیل، اور ایک خفیہ افسر، جو وردی میں ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی، اس آئینی دائرے سے بہت باہر کھڑے ہیں۔

یہاں وہ حصہ ہے جس پر سامنے والی نشستوں پر بیٹھے ارکان کو شاید اس سے کہیں زیادہ تشویش ہونی چاہیے جتنی بظاہر نظر آتی ہے۔

میں نے منتخب ایوانوں کو انتظامیہ کے ہاتھ میں قلم دیتے دیکھا ہے، اور پھر سیاہی پھیل جانے پر انہیں حیران ہوتے بھی دیکھا ہے۔ لیکن پھر معاملہ ایک مکمل دائرہ بناتا ہے، جیسا کہ نواز شریف کے معاملے میں ہوا۔ انہوں نے 1997 میں پارلیمنٹ کے ذریعے انسدادِ دہشت گردی ایکٹ منظور کرایا، انہیں خبردار کیا گیا کہ یہ قانون اپنی حدود میں نہیں رہے گا، اور کچھ ہی عرصے بعد انہیں اسی قانون کے تحت ایک انسدادِ دہشت گردی عدالت نے سزا سنا دی۔

جب سیاسی حالات بدلے تو یہی قانون پی ٹی آئی کے کارکنوں کے خلاف بھی استعمال ہوا۔ پیکا اسی کا ایک مختصر اور زیادہ مرتکز ورژن ہے۔ مسلم لیگ (ن) نے اسے تیار کیا، اور پھر اس قانون کو پلٹ کر اپنے ہی خلاف استعمال ہوتے دیکھا۔

کسی سیاسی جماعت کے لیے کسی کو ہمدردی محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ بس غور سے دیکھیں کہ آپ کس چیز کے حق میں ووٹ دے رہے ہیں۔ ایک خفیہ مقدمہ ایسا تحفہ ہے جو آپ اس کرسی پر اگلی بار بیٹھنے والے شخص کے لیے میز پر چھوڑ جاتے ہیں — یا اس شخص کے لیے جو پسِ پردہ اسے کنٹرول کرتا ہے۔ اور اس ملک میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔

سکیورٹی برقرار رکھیں۔ جب خطرہ حقیقی ہو اور کوئی جج اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے حکم دے تو دروازے بند کر دیں۔ 2018 میں منظور کیے گئے گواہوں کے تحفظ کے قانون کو وسائل فراہم کریں، جسے ہم نے منظور کیا اور پھر بھلا دیا۔ لیکن اس ایوان سے یہ مطالبہ نہ کریں کہ وہ ووٹ دے کر ایک عدالت ہی کو وجود سے خارج کر دے۔

پیر چند گھنٹوں کی دوری پر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایوانِ اقتدار میں موجود واضح اکثریت کے باعث یہ بل آسانی سے مقننہ سے منظور ہو جائے گا۔ اپوزیشن کے مٹھی بھر ارکان تعداد کے اعتبار سے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے کہ جوشیلے انداز میں تقاریر کریں۔ اور اگر ریاست کو کسی شخص کو سزا سنانے سے پہلے عدالت ہی کو غائب کرنا پڑے، تو پھر کٹہرے میں کھڑا شخص نسبتاً چھوٹا خطرہ ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے، جب کوئی مسخرہ محل میں آ کر بس جائے تو وہ بادشاہ نہیں بن جاتا؛ محل سرکس بن جاتا ہے۔

ہیڈر آرٹ: فرانز کافکا کے ناول Der Prozess یا The Trial کے مشہور سرورق میں سے ایک کی نقل کرتے ہوئے مصنوعی ذہانت سے تیار کی گئی تصویر ہے۔

مصنف پنجاب اسمبلی کے رکن اور قائمہ کمیٹی برائے توانائی کے چیئرپرسن ہیں۔ وہ سول بیوروکریسی کا حصہ بھی رہ چکے ہیں۔

پاکستان سے افغان میڈیکل طلبہ کی بے دخلی کے حوالے سے
قانونی برادری، ماہرینِ تعلیم اور سول سوسائٹی کا مذمتی بیان

ہم، زیرِ دستخطی، وکلا، انسانی حقوق کے دفاع کار، ماہرینِ تعلیم اور سول سوسائٹی کے اراکین پر مشتمل ایک آزاد اجتماعی پلیٹ فارم ہیں، جو پاکستان میں زیرِ تعلیم افغان میڈیکل طلبہ کے حوالے سے پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کونسل (پی ایم ڈی سی) کی جانب سے یکم ستمبر 2026 کو جاری کردہ نوٹیفکیشن نمبر

No.PF-5-ADR-PM&DC/2026/1250

کے ذریعے جامعات اور کالجز کو جاری کیے گئے جبری واپسی کے احکامات کی سختی سے مذمت کرتے ہیں۔

یہ نوٹیفکیشن امتیازی، متعصّبانہ اور بدنیتی پر مبنی ہے۔ اس کے تحت تمام میڈیکل اور ڈینٹل اداروں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ سرکاری کارروائیاں اور ضروری رسمی تقاضے مکمل کریں تاکہ افغان طلبہ کی افغانستان واپسی یقینی بنائی جا سکے۔ مزید برآں، افغان شہریوں کے لیے مستقبل میں داخلوں، منتقلی اور مائیگریشن کے عمل کو معطل کر دیا گیا ہے، جبکہ متنبہ کیا گیا ہے کہ ایسی کسی بھی سہولت کاری کے نتیجے میں متعلقہ اداروں کو نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پاکستان، بین الاقوامی میثاق برائے معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق (آئی سی ای ایس سی آر) کا فریق ہونے کی حیثیت سے اس امر کا پابند ہے کہ اعلیٰ تعلیم تک مساوی رسائی، اہلیت کی بنیاد پر اور کسی بھی قسم کے امتیاز کے بغیر یقینی بنائے۔ اس معاہدے پر عمل درآمد کی نگرانی کرنے والی اقوامِ متحدہ کی کمیٹی نے واضح کیا ہے کہ اس معاہدے کے تحت حاصل ضمانتیں غیر ملکی شہریوں کو بھی حاصل ہیں، خواہ ان کی امیگریشن حیثیت کچھ بھی ہو۔ مذکورہ نوٹیفکیشن آئی سی ای ایس سی آر کے تحت پاکستان کی قانونی ذمہ داریوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔

اطلاعات کے مطابق، اس حکم سے اس وقت لاہور میں موجود کم از کم 100 افغان طلبہ متاثر ہوں گے، جن میں طالبات بھی شامل ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے خصوصی طریقہ کار کے کم از کم نو مینڈیٹس، جن میں افغانستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال کے بارے میں خصوصی نمائندہ، تارکینِ وطن کے انسانی حقوق کے بارے میں خصوصی نمائندہ، حقِ تعلیم کے بارے میں خصوصی نمائندہ، اور خواتین و لڑکیوں کے خلاف تشدد کے بارے میں خصوصی نمائندہ شامل ہیں، نے پاکستان کی جانب سے افغان شہریوں کی جبری واپسی پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

"بالخصوص افغان طالبات کے لیے، یہ اقدام ڈاکٹر اور ڈینٹسٹ بننے کی ان کی امیدوں کا خاتمہ کر دے گا، کیونکہ طالبان کی جانب سے خواتین کے لیے اعلیٰ تعلیم اور طبی تربیت پر پابندی عائد ہے۔"

2021 سے، دونوں حکومتوں کے درمیان سیاسی اختلافات کے باعث، افغان میڈیکل طلبہ کو اپنے متعلقہ کالجز کے ذریعے پی ایم ڈی سی میں رجسٹریشن کے حصول میں مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ یہ صورتِ حال پی ایم ڈی سی کے ان قواعد کے منافی ہے جن کے تحت میڈیکل کالجز داخلے کے فوراً بعد تمام طلبہ کو پی ایم ڈی سی کے ساتھ رجسٹر کرنے کے پابند ہیں۔

افغان طلبہ کی بے دخلی کے احکامات جاری کرنے کا موجودہ طریقہ دراصل پاکستان میں تعلیم کے حصول کی کوشش کو

> اب انہی طلبہ کو غیر قانونی تارکینِ وطن قرار دینے کے لیے بنیاد کے طور پر استعمال کی جا رہی ہے۔

افغان طلبہ کے لیے جرم قرار دینے کے مترادف ہے۔ یہ وہ طلبہ ہیں جو اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے سخت محنت کر رہے ہیں اور کسی خصوصی رعایت یا امتیازی سلوک کا مطالبہ نہیں کرتے۔ اطلاعات کے مطابق، جہاں تمام پاکستانی اور دیگر غیر ملکی طلبہ کو باقاعدگی سے رجسٹر کیا گیا، وہیں 2021 سے مختلف بیچز میں زیرِ تعلیم افغان شہریت رکھنے والے طلبہ اپنی تعلیم کے متعدد مراحل پر رجسٹریشن سے محروم رہے ہیں۔ یہ ادارہ جاتی ناکامی — جس کی مکمل ذمہ داری متعلقہ کالجز اور پی ایم ڈی سی پر عائد ہوتی ہے — اب انہی طلبہ کو غیر قانونی تارکینِ وطن قرار دینے کے لیے بنیاد کے طور پر استعمال کی جا رہی ہے۔

مزید برآں، پی ایم ڈی سی میں رجسٹریشن نہ ہونے کی صورت میں، طلبہ اپنی ڈگری کی تکمیل کے لیے ضروری ہاؤس جاب کرنے سے بھی قاصر ہیں، کیونکہ انہیں عارضی میڈیکل لائسنس جاری نہیں کیا جا سکتا۔ پی ایم ڈی سی کے متعلقہ قواعد اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایم بی بی ایس کی تعلیم کامیابی سے مکمل کرنے والے افراد کو ہاؤس جاب کے لیے اندراج کا حق حاصل ہے۔ اگر ان طلبہ اور حالیہ فارغ التحصیل طلبہ کو کالجز سے بے دخل کر کے افغانستان واپس بھیج دیا جاتا ہے تو انہیں عالمی سطح پر ملازمت کے قابل نہ رہنے کے خطرے کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق اور حالات کی روشنی میں، ہم پاکستانی حکام سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ:

(الف) طلبہ کی افغانستان واپسی سے متعلق احکامات واپس لیے جائیں، افغان طلبہ کے داخلوں کو بحال کیا جائے اور ان کی رجسٹریشن مکمل کی جائے، افغان طلبہ کے داخلوں پر عائد امتیازی پابندی ختم کی جائے، اور اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ طلبہ قانونی طور پر پاکستان میں قیام جاری رکھتے ہوئے اپنی ڈگری کے پروگرام مکمل کر سکیں اور اس کے بعد اپنے پیشہ ورانہ تجربے کے حصول کے لیے ضروری ہاؤس جاب بھی مکمل کر سکیں؛

(ب) پی ایم ڈی سی فوری طور پر ان تمام طلبہ کو رجسٹر کرے جن کی رجسٹریشن زیرِ التوا ہے؛

(ج) حکومت ان تمام زیرِ تعلیم طلبہ کے ویزوں میں توسیع کرے جن کے ویزوں کی مدت ختم ہو چکی ہے۔

دستخط کنندگان

1. فرحت اللہ بابر — سابق سینیٹر اور انسانی حقوق کے کارکن
2. افراسیاب خٹک سابق سینیٹر اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سابق کونسل رکن
3. فریدہ شہید — فعال شہری، ڈبلیو اے ایف، اقوامِ متحدہ کی خصوصی نمائندہ برائے حقِ تعلیم
4. خاور ممتاز — سماجی کارکن
5. طاہرہ عبداللہ — انسانی حقوق کی محافظ
6. منیزے جہانگیر — شریک چیئر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، صحافی
7. فرح ضیا — ڈائریکٹر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
8. ندا علی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
9. اسامہ خلجی — سماجی کارکن اور کالم نگار
10. عمار علی جان — ماہرِ تعلیم و سماجی کارکن، سیکریٹری جنرل، حقوقِ خلق پارٹی
11. افتخار الدین ریاض — ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
12. صلاح الدین احمد — ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
13. نگہت سعید خان — سماجی کارکن
14. سلیمہ ہاشمی — فنکارہ / ماہرِ تعلیم

15. بیرسٹر سارہ بلال—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
16. نگہت داد—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
17. بیرسٹر خدیجہ صدیقی—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
18. احمد رافع عالم ایڈووکیٹ
19. عبدالمعیز جعفری ایڈووکیٹ
20. پروفیسر سعدیہ طور
21. ڈاکٹر عافیہ ایس ضیا—ماہرِ تعلیم
22. سارہ علی—پروگریسو اسٹوڈنٹس کلیکٹو
23. نسرین شاہ—ماہر تعلیم
24. نورزادہ راجہ ایڈووکیٹ
25. علیزہ مسعود رضا—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
26. بیرسٹر مریم خان کھوسہ—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
27. بیرسٹر مہر النساء سجاد—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
28. التمش سعید—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
29. اسرا اسرار صافی— محقق اور منتظم
30. نیہا داگیا—صحافی
31. سمرہ احمد—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
32. حیدر علی بٹ—وکیل اور نائب صدر حقوق خلق پارٹی
33. سمعیہ زیدی ایڈووکیٹ
34. علیزہ اکبر میر ایڈووکیٹ
35. زویا رحمان— محقق/ڈبلیو ڈی ایف کی نمائندہ
36. سیدہ عمیرہ اقبال رضا ایڈووکیٹ
37. زارا سہیل منان—بانی کتاب گھر
38. عتیقہ حسن رضا—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
39. نائلہ دستگیر ہاشمی—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
40. گشمیرہ نعیم ایڈووکیٹ
41. سعدیہ کھتری— مصنفہ
42. انگبین عاطف مرزا ایڈووکیٹ
43. شمیلہ خان— سماجی کارکن اور محقق
44. فائزہ مراد—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
45. اریجہ اعجاز ایڈووکیٹ
46. فاطمہ جان—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
47. عریبہ فاطمہ—صحافی
48. ڈاکٹر نہل نعمان
49. میاں محمد عمران—ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
50. ربیعہ شعیب—وکیل اور ماہر تحفظِ ماحولیات
51. قانتہ ملک
52. ایڈووکیٹ مریم سعید
53. عائشہ گردیزی ایڈووکیٹ
54. دانش علوی
55. عظور شکیل ایڈووکیٹ
56. سارہ سہیل، اسکالر اور ایکٹوسٹ/TFC
57. ماہین پراچہ، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
58. خوشحال خان، کارکن
59. جعفر احمد، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
60. رخسانہ رشید، کارکن
61. عائشہ خان، محقق
62. سعید حسین، JAC-R
63. ایان خرم، لمز
64. سجیل شفیق، سماجی کارکن
65. صابرہ قریشی، ماہر تعلیم
66. لبنیٰ ندیم، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، ایچ آر سی پی
67. جودت ندیم، صحافی
68. سنی ضیا، پروجیکٹ مینیجر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
69. اریبہ سعید، صحافی
70. رخشندہ ناز، امن اور خواتین کے حقوق کی کارکن
71. نسرین رحمان، مؤرخ
72. منیزہ کاکڑ، JAC-R
73. ربیعہ ارشد، ملٹی میڈیا صحافی
74. فاطمہ رزاق، ایکٹوسٹ اور محقق
75. زہرا زیدی، وکیل اور ماہر تعلیم
76. نازش عطاءاللہ، فنکارہ/ماہرِ تعلیم
77. ارم کاشف، ماہر تعلیم
78. نیلم حسین، ماہر تعلیم
79. صبا گل خٹک، حقوقِ نسواں کی محقق
80. نصرت جمیل، کارکن
81. شاد بیگم
82. سمیرا اشفاق، ویمن ایکشن فورم
83. ناہید عزیز
84. عائشہ گزدر
85. عذرا طلعت سعید
86. جگنو کاظم ایڈووکیٹ
87. رفعت عزیز، ویمن ایکشن فورم پشاور
88. مصطفیٰ خان ایڈووکیٹ
89. شانزے شاہد
90. نسرین اظہر
91. رانی وحیدی، نامہ نگار ڈی ڈبلیو نیوز
92. لائبہ زینب، نامہ نگار نکتہ
93. ماورا غزنوی ایڈووکیٹ
94. خرم علی، کنوینر، کراچی بچاؤ تحریک
95. ارحم کامران شاہ، محقق
96. راجا بخاری، قانونی سیکریٹری، کراچی بچاؤ تحریک
97. محمد وہاج حسن، ایکٹوسٹ، کراچی بچاؤ تحریک
98. عطیہ عباس، ایکٹوسٹ، کراچی بچاؤ تحریک
99. منال یوسف، جنرل سیکریٹری، کراچی بچاؤ تحریک
100. اقبال خان، وکیل اور پروگریسو اسٹوڈنٹس کلیکٹو
101. کھیٹارام، انسانی حقوق کے وکیل
102. عتیق الرحمٰن، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
103. علی عبداللہ خان، پروگریسو اسٹوڈنٹس کلیکٹو / وکیل
104. نعمان ندیم، رپورٹنگ ریزسٹنس
105. حبیب کریم، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
106. بیرسٹر مسلم تاثیر، ایم ایس یو
107. سید علی قمر رضوی، آرگنائزر— کراچی بچاؤ تحریک اور خلق یونین
108. محمد مصطفیٰ، قانون کے طالب علم
109. صہیب سلیم، لمز
110. محمد علی عمران، کتاب گھر لاہور
111. ماہہ فاطمہ، طالبہ—کے بی ٹی اور خلق یونین
112. شہرام احمد
113. جویریہ نعیم، کتاب گھر کراچی، خلق یونین
114. بشریٰ ماہ نور، ماہواری جسٹس
115. سعدیہ باجوہ، محقق، ہمبولٹ یونیورسٹی، برلن
116. نصیب اللہ، پروگریسو اسٹوڈنٹس کلیکٹو
117. سوہا فاطمہ، پروگریسو اسٹوڈنٹس کلیکٹو
118. ڈاکٹر اکرم، وائے ڈی اے کابینہ کے رکن
119. علی افغان، طالب علم، ایم بی بی ایس
120. اویس قرنی، ریوولیوشنری اسٹوڈنٹس فرنٹ
121. ایم۔زید خالد، طالب علم۔ ایم بی بی ایس
122. مہر جعفری، اداکارہ، ہدایت کار، بودھی ورکس میڈیا

جمہوریہ کے نگہبان: پاکستان میں جمہوریت کو زندہ رکھنے والے مرد و خواتین

زاری جلیل

عالمی یومِ جمہوریت کے موقع پر ہم ان صحافیوں، قانون دانوں، اراکین پارلیمان اور کارکنوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے آمریت، آئین سے انحراف اور ریاستی سنسر شپ کے سامنے جھکنے سے انکار کیا۔

پاکستان میں جمہوریت کی تاریخ شاید ہی کبھی ہموار رہی ہو۔ اس کی تاریخ معطل کیے گئے آئین، فوجی مارشل لا، پریس پر پابندیوں اور سیاسی تطہیر کے ادوار سے عبارت ہے۔ اس کے باوجود اگر جمہوری تصور آج بھی قومی شعور میں مضبوطی سے موجود ہے تو اس کی وجہ وہ غیر معمولی حوصلہ رکھنے والے مرد و خواتین ہیں جنہوں نے صرف آئین پسندی کا پرجوش دفاع ہی نہیں کیا بلکہ اس کی قیمت اپنی آزادی، روزگار اور بعض صورتوں میں اپنی جانوں کی صورت میں بھی ادا کی۔

عالمی یومِ جمہوریت کے موقع پر ہم صحافت، قانون، سول سوسائٹی اور پارلیمان سے تعلق رکھنے والی ان شخصیات کو یاد کرتے ہیں جو آمرانہ اختیارات کے بے جا استعمال کے سامنے مضبوط ستون بن کر کھڑی رہیں۔

صحافت کا ہراول دستہ: سنسر شپ کے مقابل سچ

جب آمرانہ حکومتیں جمہوری ڈھانچوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو ان کا پہلا ہدف تقریباً ہمیشہ آزاد صحافت ہوتی ہے۔ پاکستان میں صحافیوں کی کئی نسلوں نے قلم کو جمہوری مزاحمت کے ایک ذریعے کے طور پر استعمال کیا۔ آج بھی صحافت سے وابستہ لوگ آزاد پریس کی جدوجہد میں ان کی خدمات کو یاد کرتے ہیں۔

رضیہ بھٹی

(1944–1996)

رضیہ بھٹی تحقیقاتی اور حالاتِ حاضرہ کی صحافت کی ایک بلند قامت شخصیت تھیں۔ تقریباً 30 سالہ صحافتی زندگی کے دوران انہوں نے پاکستان میں سیاسی رپورٹنگ کو ایک نئی جہت دی اور دو اہم اشاعتی اداروں میں آزاد صحافت کی مضبوط بنیاد رکھی۔

دی ہیرالڈ اور بعد ازاں نیوز لائن کی بے باک مدیر کی حیثیت سے رضیہ بھٹی، جنہیں رضیہ بونڈرے کے نام سے بھی جانا جاتا تھا، نے پاکستان میں تحقیقاتی صحافت کے معیار کو نئے سرے سے متعین کیا۔

انہوں نے مارشل لا کے ادوار میں بھی اپنی رپورٹنگ کو محدود کرنے سے مسلسل انکار کیا۔ ریاستی بدعنوانی، انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور سیاسی جبر پر بے لاگ اور تحقیقاتی رپورٹیں شائع کیں۔ ادارتی دیانت داری پر ان کا غیر متزلزل مؤقف آج بھی پاکستانی صحافت کے لیے ایک مثال سمجھا جاتا ہے۔

ان کی ادارت میں نیوز لائن نے منشیات کے نیٹ ورکس، سیاسی بدعنوانی، فوجی اختیارات کے بے جا استعمال، کراچی میں ریاستی تشدد اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں جیسے حساس موضوعات پر تحقیقات کر کے کئی ممنوعہ سمجھے جانے والے موضوعات کو عوامی بحث کا حصہ بنایا۔

ان کی صحافت نے یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں کی ناراضی بھی مول لی — بے نظیر بھٹو کی حکومت کی جانب سے سفری پابندیوں سے لے کر سندھ کے صوبائی حکام کی ہدایت پر ان کے گھر پر پولیس کے چھاپوں تک۔

نثار عثمانی

(1931–1994)

ایک مثالی صحافی اور پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) کے تجربہ کار رہنما، نثار عثمانی کئی دہائیوں تک صحافتی یونین کی مزاحمت کے فکری اور اخلاقی محور رہے۔ انہوں نے ریاستی پریس ہدایات، اخبارات پر پابندیوں اور آمرانہ ادوار میں میڈیا کارکنوں کو نشانہ بنائے جانے کے خلاف تاریخی احتجاجی تحریکوں کی قیادت کی۔

نثار عثمانی پاکستان میں تحقیقاتی صحافت، ٹریڈ یونین ازم اور شہری آزادیوں کے اہم ستون تھے۔ منہاج برنا کے ساتھ مل کر وہ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کی ایسی مضبوط قیادت کا حصہ رہے جس نے ریاستی آمریت کے سامنے مسلسل آواز بلند کی۔

عثمانی مقتدرہ سے براہِ راست سوال کرنے کے لیے مشہور تھے۔ خواہ جنرل ایوب خان ہوں، ذوالفقار علی بھٹو یا جنرل ضیاء الحق، پریس کانفرنسوں میں ان کے براہِ راست اور دلیرانہ سوالات نے انہیں بہت زیادہ احترام دلایا، اگرچہ اس کے نتیجے میں انہیں ریاستی ناراضی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

انہوں نے حقائق پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کیا، خواہ حکومت فوجی ہو یا سویلین۔

منہاج برنا

(1923–2011)

پاکستان کی ٹریڈ یونین تحریک کی ایک قد آور شخصیت، منہاج برنا نے جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے خلاف 1978 کی تاریخی ملک گیر صحافتی تحریک کی قیادت کی۔

ان کی قیادت میں صحافیوں نے ادارتی آزادی سے دستبردار ہونے کے بجائے قید، معاشی مشکلات اور جلاوطنی کا سامنا کرنا قبول کیا۔ صحافیوں اور اخباری کارکنوں کے بنیادی حقوق کے لیے ان کی جدوجہد نے میڈیا کارکنوں کی تنظیم سازی پر دیرپا اثرات مرتب کیے۔

ان کی متحرک تنظیمی کوششوں کے نتیجے میں میڈیا کارکنوں کے لیے ادارہ جاتی تحفظات پیدا ہوئے، جن میں مشترکہ ویج بورڈز اور نیوز پیپر ایمپلائز (شرائط ملازمت) ایکٹ کے تحت بعض حقوق و تحفظات شامل تھے۔

1970 میں برنا نے میڈیا کارکنوں کے ایک تاریخی ریفرنڈم کے بعد ملک گیر پریس شٹ ڈاؤن کی قیادت کی، جو 10 روز تک جاری رہا۔ اس ہڑتال نے اخبارات کے مالکان اور ریاستی کنٹرول کو چیلنج کیا اور بالآخر 1973 کے آئین میں صحافتی حقوق کے لیے آئینی تحفظات کی راہ ہموار ہوئی۔

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے دوران ریاستی حکام نے متعدد مطبوعات، جن میں مساوات بھی شامل تھا، پر پابندی عائد کی اور صحافیوں کو گرفتار کیا۔ اس کے جواب میں برنا نے مزاحمتی تحریک منظم کی، جس کے دوران پریس کارکنوں کو گرفتار کیا گیا، کوڑے مارے گئے اور جلاوطن کیا گیا۔

1978 میں پریس پر پابندیوں کے خلاف احتجاج کے باعث خیرپور جیل میں قید برنا نے قید کیے گئے میڈیا کارکنوں کی رہائی اور پابندی عائد شدہ مطبوعات کی بحالی کے مطالبے پر طویل بھوک ہڑتال کی، جس میں ان کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ فوجی حکومت بالآخر ان کے مطالبات ماننے پر آمادہ ہوئی۔

تاہم اس بھوک ہڑتال نے ان کی صحت کو شدید اور مستقل نقصان پہنچایا اور انہیں معدے کی دائمی پیچیدگیوں کا سامنا تاحیات جاری رہا۔

ناصر زیدی

13 مئی 1978 کو زیدی اور ان کے تین ساتھی صحافیوں — مسعوداللہ خان، خاور نعیم ہاشمی اور اقبال جعفری — نے لاہور میں مساوات کے دفاتر سے اپنی گرفتاری پیش کی۔ فوجی عدالت کے سامنے پیش کیے جانے پر ان صحافیوں نے خاموش رہنے سے انکار کیا اور کھلے عام اس عدالت کے دائرہ اختیار کو چیلنج کیا کہ اسے صحافیوں کا مقدمہ چلانے کا اختیار کیسے حاصل ہے۔

اس کے جواب میں فوجی مجسٹریٹ نے چند ہی گھنٹوں کے اندر انہیں سرعام کوڑے مارنے اور قید کی سزا سنا دی۔ اس روز ناصر زیدی کی بے خوفی نے انہیں جبر کے خلاف مزاحمت کی ایک دیرپا اور زندہ علامت بنا دیا۔

لاہور سینٹرل جیل میں، عالمی سطح پر شدید احتجاج کے باوجود، زیدی، ہاشمی اور جعفری کی پشت پر کوڑے برسائے گئے۔ عینی شاہدین کے مطابق کوڑے کھاتے ہوئے بھی صحافیوں نے آزادیٔ صحافت اور فوجی حکمرانی کے خاتمے کے حق میں نعرے لگائے۔

ان کوڑوں کا مقصد صحافت کو خوف زدہ کرنا تھا، لیکن اس کے بجائے اس واقعے نے صحافتی برادری میں مزاحمت کے جذبے کو مزید مضبوط کیا۔ زیدی اس آزمائش میں سرخرو ٹھہرے اور بعد ازاں بھی صحافت سے وابستہ رہے، کئی دہائیوں تک پی ایف یو جے میں مختلف قائدانہ ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔

آج بھی زیدی میڈیا کے حقوق، پریس کارکنوں کے لیے محنت کشوں کے تحفظات اور جدید ڈیجیٹل و ریاستی سنسرشپ سے تحفظ کے لیے سرگرم آواز ہیں۔

بار اور بنچ: آئین کے محافظ

پاکستان میں جمہوریت کی جنگ اکثر عدالتوں کے اندر بھی لڑی گئی ہے۔ جب بھی انتظامیہ نے اپنے اختیارات کی حدود سے تجاوز کیا، ان قانون دانوں اور ججوں نے آئینی بالادستی کے دفاع میں اپنا کردار ادا کیا۔

جسٹس دراب پٹیل

(1924–1997)

غیر معمولی اصولی مؤقف رکھنے والے جسٹس پٹیل نے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو دی گئی سزائے موت کے خلاف تاریخی اختلافی فیصلہ دیا۔

1981 میں انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے عبوری آئینی حکم نامے (پی سی او) کے تحت حلف اٹھانے کے بجائے سپریم کورٹ سے استعفیٰ دینا پسند کیا۔ بعد ازاں انہوں نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کمیشن (ایچ آر سی پی) کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

1979 میں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی طور پر انتہائی حساس مقدمے کے دوران جسٹس پٹیل سات رکنی سپریم کورٹ بینچ کا حصہ تھے۔ وہ ان تین ججوں میں شامل تھے جنہوں نے بھٹو کو مکمل بری کرنے کے حق میں اختلافی فیصلہ دیا۔ دیگر دو جج جسٹس صفدر شاہ اور جسٹس محمد حلیم تھے۔

ان ججوں کا مؤقف تھا کہ استغاثہ بھٹو کا جرم شک و شبہ سے بالاتر ثابت کرنے میں ناکام رہا تھا۔

مارچ 1981 میں فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق نے عبوری آئینی حکم نامہ (پی سی او) جاری کیا، جس کے تحت ججوں کو نیا حلف اٹھانا تھا۔ اس حلف کے نتیجے میں عدالتوں کے اختیار کو فوجی عدالتوں کے فیصلوں کا جائزہ لینے اور مارشل لا کے احکامات کو چیلنج کرنے کے حوالے سے محدود کیا گیا۔

جسٹس پٹیل چیف جسٹس پاکستان بننے کے لیے اگلی صف میں تھے، تاہم انہوں نے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کر دیا اور اصولی مؤقف کی بنیاد پر سپریم کورٹ سے استعفیٰ دے دیا۔ سینئر جسٹس فخرالدین جی ابراہیم نے بھی ان کے ساتھ استعفیٰ دیا۔

استعفے کے بعد جسٹس پٹیل نے اپنی توجہ سول سوسائٹی کی طرف مرکوز کی۔ 1987 میں انہوں نے عاصمہ جہانگیر اور دیگر ممتاز قانون دانوں کے ساتھ مل کر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کمیشن (ایچ آر سی پی) کی بنیاد رکھی اور اس کے بانی چیئرمین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

اپنی زندگی کے آخری برسوں میں انہوں نے ریاستی اختیارات کے بے جا استعمال کی دستاویز بندی، مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے دفاع اور سزائے موت کے خلاف مہم میں اہم کردار ادا کیا۔

وہ انٹرنیشنل کمیشن آف جیورسٹس (آئی سی جے) کے رکن رہے اور ایمنسٹی انٹرنیشنل میں بھی اعلیٰ ذمہ داریاں ادا کیں، جس کے ذریعے پاکستانی شہری آزادیوں کے مسائل کو عالمی سطح پر اجاگر کیا گیا۔

عاصمہ جہانگیر

(1952–2018)

عاصمہ جہانگیر کو وسیع پیمانے پر قوم کی ضمیر کی آواز کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ وہ شہری آزادیوں، اقلیتوں کے حقوق اور جمہوری اصولوں کی ایک بے باک قانونی محافظ تھیں۔

اپنی سلامتی کے حوالے سے ملنے والی دھمکیوں، سڑکوں پر آنسو گیس اور قید کا سامنا کرنے کے باوجود انہوں نے ریاستی جبر کے خلاف احتجاجی مظاہروں اور قانونی جدوجہد کی قیادت کی۔ وہ ایچ آر سی پی کی مشترکہ بانی بنیں اور سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کی پہلی خاتون صدر منتخب ہوئیں۔

ان کی قانونی جدوجہد کا آغاز 1972 میں ہوا، جب وہ ابھی نوعمر تھیں۔ انہوں نے اپنے والد، سیاست دان ملک غلام جیلانی کی مارشل لا قوانین کے تحت گرفتاری کے خلاف عدالت سے رجوع کیا۔ یہ مقدمہ ملک غلام جیلانی بنام حکومتِ مغربی پاکستان کے طور پر مشہور ہوا اور سپریم کورٹ تک پہنچا۔

1980 میں اپنی بہن حنا جیلانی اور دیگر خواتین وکلا کے ساتھ مل کر انہوں نے لا ایسوسی ایٹس اے جی ایچ ایس قائم کی، جو پاکستان کی تمام خواتین پر مشتمل پہلی قانونی فرم تھی۔

اے جی ایچ ایس نے انتہائی کمزور اور محروم طبقات کو مفت قانونی معاونت فراہم کی، جن میں غریب خواتین، بچوں کے قیدی، جبری مشقت کا شکار افراد اور مذہبی اقلیتیں شامل تھیں۔

1980 کی دہائی کے آغاز میں انہوں نے ویمنز ایکشن فورم (ڈبلیو اے ایف) کی مشترکہ بنیاد رکھی، جس کا مقصد جنرل ضیاء الحق کے امتیازی حدود آرڈیننس اور مجوزہ قانونِ شہادت کے خلاف مزاحمت کو منظم کرنا تھا۔

1983 میں لاہور میں ہونے والے احتجاجی مظاہروں کے دوران انہیں پولیس کی آنسو گیس، لاٹھی چارج اور گرفتاری کا سامنا کرنا پڑا۔

انہوں نے جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکمرانی کے خلاف تحریک بحالیِ جمہوریت (ایم آر ڈی) میں فعال شرکت کی، جس کے نتیجے میں انہیں قید کیا گیا۔

2007 کی وکلا تحریک: نومبر 2007 میں جنرل پرویز مشرف کی جانب سے ایمرجنسی نافذ کیے جانے کے بعد

عاصمہ جہانگیر کو تین ماہ کے لیے نظر بند کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد انہوں نے وکلا برادری اور سول سوسائٹی کو آئین اور معزول ججوں کی بحالی کے مطالبے کے لیے متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

عابد حسن منٹو

ایک انتہائی محترم آئینی قانون دان، تجربہ کار سوشلسٹ اور سابق صدر سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن، عابد حسن منٹو نے کئی دہائیوں تک انتخابی اصلاحات، محنت کش طبقے کے حقوق اور بنیادی جمہوری ڈھانچوں کے لیے قانونی جدوجہد کی۔

ان کی قانونی بصیرت نے بنیادی حقوق سے متعلق آئینی فقہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

منٹو نے اعلیٰ عدالتوں میں محنت کش شہریوں، کسانوں اور اقلیتی برادریوں کی جانب سے بلا معاوضہ مقدمات لڑے۔ انہوں نے مارشل لا کے احکامات کے تحت نافذ امتیازی دفعات کو چیلنج کیا، جن میں مذہبی اقلیتوں کے لیے جداگانہ انتخابات اور جنرل ضیاء الحق کے قانونِ شہادت میں موجود صنفی امتیاز پر مبنی پہلو شامل تھے۔

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے دوران وہ نیشنل کوآرڈی نیشن کمیٹی آف لائرز (1981–1985) کے چیئرمین رہے اور آئین کی معطلی اور فوجی عدالتوں میں مقدمات چلنے کے خلاف وکلا برادری کے احتجاج کی قیادت کی۔ انہیں مختلف آمرانہ حکومتوں کے ادوار میں متعدد مرتبہ گرفتار کیا گیا۔

زندگی بھر سوشلسٹ اور سیاسی کارکن رہنے والے منٹو نیشنل ورکرز پارٹی کے بانی صدر رہے اور بعد ازاں 2012 میں عوامی ورکرز پارٹی (اے ڈبلیو پی) کی تشکیل میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا، جس کا مقصد پاکستان میں ترقی پسند، سیکولر اور محنت کش طبقے کی سیاسی قوتوں کو متحد کرنا تھا۔

1990 میں بارسلونا میں منعقدہ کانگریس میں وہ انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف ڈیموکریٹک لائرز (آئی اے ڈی ایل) کے نائب صدر منتخب ہوئے، جہاں انہوں نے نیلسن منڈیلا جیسی بین الاقوامی شخصیات کے ساتھ پاکستان کی جمہوری قانونی روایت کی نمائندگی کی۔

منیر اے ملک

2007 میں سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے منیر اے ملک تاریخی وکلا تحریک کے ایک اہم رہنما کے طور پر سامنے آئے۔

جب جنرل پرویز مشرف کی ایمرجنسی حکومت کے دوران عدلیہ کی خودمختاری کو متاثر کیا گیا تو ملک نے ملک بھر میں وکلا برادری کو متحرک کیا۔ انہوں نے حراست اور تشدد کا سامنا کیا اور آزاد عدلیہ کی بحالی کے مطالبے کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔

وہ تاریخی وکلا تحریک (تحریکِ بچاؤ عدلیہ) کی حکمتِ عملی بنانے والوں اور صفِ اول کے رہنماؤں میں شامل تھے، جس نے فوجی حکمرانی کو چیلنج کیا اور آزاد عدلیہ کی بحالی کے لیے سول سوسائٹی کو متحرک کیا۔

3 نومبر 2007 کو جنرل مشرف کی جانب سے ایمرجنسی نافذ کیے جانے کے بعد منیر ملک گرفتار ہونے والے نمایاں رہنماؤں میں شامل تھے۔ انہیں اٹک جیل میں قیدِ تنہائی میں رکھا گیا۔

قید کے دوران سخت حالات کے باعث ان کی صحت شدید متاثر ہوئی اور انہیں گردوں کی خرابی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد ازاں انہیں سخت حفاظتی انتظامات میں اسلام آباد کے پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (پمز) منتقل کیا گیا۔ شدید ملکی اور عالمی دباؤ کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔

جون 2013 میں جمہوری انتقالِ اقتدار کے بعد وفاقی حکومت نے انہیں پاکستان کا 28واں اٹارنی جنرل مقرر کیا۔ انہوں نے اس شرط پر عہدہ قبول کیا کہ وہ اہم آئینی معاملات میں ریاست کی مدد کے لیے مختصر مدت تک خدمات انجام دیں گے۔ ذاتی اور صحت کے مسائل کے باعث انہوں نے اکتوبر 2013 میں استعفیٰ دے دیا۔

ادارہ جاتی ستون: سول سوسائٹی کی تقویت

آئی اے رحمان

(1930–2021)

ایک ممتاز دانشور، تجربہ کار مدیر اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے طویل عرصے تک ڈائریکٹر رہنے والے آئی اے رحمان، جنہیں محبت سے ''رحمان صاحب'' کہا جاتا تھا، پاکستان کے جمہوری شعور کے خاموش مگر مضبوط ستون تھے۔

چھ دہائیوں سے زائد عرصے تک ان کی تحریروں، تحقیق اور انسانی حقوق کی وکالت نے ریاستی اختیارات کے بے جا استعمال کو دستاویزی شکل دی، محروم طبقات کا دفاع کیا اور کئی نسلوں کو جمہوری حقوق سے آگاہ کیا۔

رحمان صاحب پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے بانی ارکان میں شامل تھے، جو 1987 میں قائم ہوا۔ انہوں نے 1990 سے 2008 تک دو دہائیوں سے زائد عرصے تک اس کے ڈائریکٹر اور پھر 2008 سے 2016 تک سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

ان کی قیادت میں ایچ آر سی پی پاکستان کا ایک انسانی حقوق کا خودمختار نگران ادارہ بنا، جس نے ملک کے تمام صوبوں میں ریاستی زیادتیوں، جبری گمشدگیوں، مزدوروں کے استحصال اور اقلیتوں کے خلاف ہونے والے مظالم کو دستاویزی شکل دی۔

منہاج برنا اور نثار عثمانی کے ساتھ رحمان صاحب پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کے بانی ارکان میں شامل تھے۔

جنرل ضیاء الحق کی فوجی آمریت کے دوران ریاستی سنسرشپ کی مخالفت کرنے پر انہیں پاکستان ٹائمز سے برطرف کر دیا گیا اور پریس کی آزادی کے لیے احتجاج منظم کرنے کے جرم میں مارشل لا کے تحت جیل بھیجا گیا۔

وہ پاکستان انڈیا پیپلز فورم فار پیس اینڈ ڈیموکریسی (پی آئی پی ایف پی ڈی) کے بانی ارکان میں بھی شامل تھے۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ حقیقی علاقائی استحکام کے لیے جمہوری بالادستی، عسکریت میں کمی اور دونوں ممالک کی سول سوسائٹی کے درمیان سرحد پار مکالمہ ضروری ہے۔

سیاسی جرات: پارلیمانی محاذ

جمہوریت ان سیاسی قوتوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی جو عوام کو منظم کریں اور مرکزیت پسند آمرانہ قوتوں کے مقابل وفاق کی اکائیوں کے حقوق کا دفاع کریں۔

بے نظیر بھٹو

(1953–2007)

بھٹو، جنہیں بی بی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا، پاکستان کی سیاسی تاریخ کی ایک نمایاں شخصیت اور دنیا بھر میں جمہوری مزاحمت کی علامت تھیں۔

انہوں نے تاریخی رکاوٹیں عبور کرتے ہوئے کسی مسلم اکثریتی ملک کی پہلی خاتون وزیرِاعظم بننے کا اعزاز حاصل کیا۔ وہ دو مرتبہ وزیرِاعظم بنیں۔ پہلی مرتبہ 1988 سے 1990 اور دوسری مرتبہ 1993 سے 1996 تک۔

وزارتِ عظمیٰ کے علاوہ پاکستان کی آئینی تاریخ میں ان کی نمایاں میراث فوجی حکمرانی کے خلاف ان کی طویل جدوجہد اور ملکی سیاست میں سویلین بالادستی کو مضبوط کرنے کی کوششیں ہیں۔

پاکستان کے پہلے جمہوری طور پر منتخب وزیرِاعظم ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی کی حیثیت سے ان کی سیاسی زندگی جنرل ضیاء الحق کی 1977 کی فوجی بغاوت اور 1979 میں ان کے والد کی پھانسی کے سائے میں شروع ہوئی۔

صرف 26 برس کی عمر میں انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت سنبھالی اور جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے خلاف تحریک بحالیِ جمہوریت (ایم آر ڈی) میں مرکزی کردار ادا کیا۔

1977 سے 1984 کے درمیان انہوں نے پانچ

سال سے زیادہ عرصہ قیدِ تنہائی، نظر بندی اور سیاسی جلاوطنی میں گزارا۔

ریاستی دباؤ کے ذریعے پی پی پی کو کمزور کرنے کی کوششوں کے باوجود اپریل 1986 میں ان کی لاہور واپسی پر دس لاکھ سے زیادہ افراد کا تاریخی اجتماع ہوا، جس نے انہیں آمریت مخالف مزاحمت کی مقبول ترین سیاسی علامتوں میں شامل کر دیا۔

جنرل ضیاء الحق کی طیارہ حادثے میں موت کے بعد انہوں نے 1988 کے عام انتخابات میں پی پی پی کی قیادت کی اور کامیابی حاصل کی، جس کے نتیجے میں 35 سال کی عمر میں وزیرِاعظم بنیں۔

ان کی حکومت نے ٹریڈ یونینز کی بحالی، سیاسی قیدیوں کی رہائی اور طلبا تنظیموں پر پابندی ہٹانے کے لیے کام کیا۔

وزیرِاعظم کی حیثیت سے ان کی دونوں حکومتیں اپنی مقررہ مدت مکمل کرنے سے پہلے ہی آئین کے آرٹیکل 58(2)(b) کے تحت ختم کر دی گئیں۔ یہ واقعات 1990 کی دہائی میں منتخب سویلین قیادت اور غیر منتخب ریاستی اداروں کے درمیان موجود ادارہ جاتی کشمکش کو ظاہر کرتے ہیں۔

لندن میں جلاوطنی کے دوران مئی 2006 میں انہوں نے اپنے سیاسی حریف نواز شریف کے ساتھ تاریخی چارٹر آف ڈیموکریسی (سی او ڈی) پر دستخط کیے۔

اس دستاویز میں سیاست میں فوجی مداخلت کے خاتمے، آئینی توازن کی بحالی، عدلیہ کی آزادی اور سیاسی جماعتوں کے درمیان جمہوری اصولوں کے قیام کے لیے مشترکہ خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ اکتوبر 2007 میں جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکمرانی کو چیلنج کرنے اور آئندہ عام انتخابات میں حصہ لینے کے لیے پاکستان واپس آنے کے بعد کراچی میں ان کے استقبالی جلسے پر ایک بڑے خودکش حملے کے باوجود وہ سیاسی مہم سے پیچھے نہیں ہٹیں۔

27 دسمبر 2007 کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں ایک سیاسی جلسے کے بعد انہیں قتل کر دیا گیا۔

ان کی ہلاکت کے بعد ملک بھر میں جمہوری جذبات مزید متحرک ہوئے۔ 2008 کے عام انتخابات کے نتیجے میں جنرل مشرف کی حکمرانی کا خاتمہ ہوا اور بعد ازاں 18 ویں آئینی ترمیم سامنے آئی، جس نے چارٹر آف ڈیموکریسی کے متعدد اہم مقاصد، خصوصاً پارلیمانی جمہوریت اور صوبائی خودمختاری کی بحالی، کو آگے بڑھایا۔

میر غوث بخش بزنجو

(1917–1989)

احترام سے بابائے مذاکرات کہلانے والے بزرگ بلوچ رہنما، صوبائی خودمختاری، پارلیمانی جمہوریت اور آئینی بالادستی کے مستقل حامی تھے۔

ان کا مؤقف تھا کہ مضبوط وفاق صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب اس میں حقیقی شمولیتی جمہوریت ہو اور چھوٹے صوبوں کے حقوق کا احترام کیا جائے۔

بزنجو کا خیال تھا کہ پاکستان اسی صورت میں ایک مستحکم ریاست کے طور پر قائم رہ سکتا ہے جب وہ ایک حقیقی وفاق کی حیثیت سے کام کرے اور اپنی تمام اکائیوں کے مساوی حقوق، ثقافتوں اور وسائل کا احترام کرے، بالخصوص بلوچستان جیسے چھوٹے صوبوں کا۔

انہوں نے 1955 میں نافذ کیے گئے ون یونٹ سمیت مرکزیت پسند آمرانہ اقدامات کی مسلسل مخالفت کی۔

نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) کے سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے بزنجو نے 1971 کے اوائل میں خان عبدالولی خان کے ساتھ ڈھاکہ کا سفر کیا تاکہ شیخ مجیب الرحمٰن اور فوجی حکام پر زور دیا جا سکے کہ فوجی کارروائی کے بجائے سیاسی مذاکرات کے ذریعے حل تلاش کیا جائے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ مسلح طاقت کے ذریعے دباؤ ایک قومی المیے کا سبب بنے گا۔

1970 کے عام انتخابات کے بعد بزنجو نے نیپ کی مختصر مدت رہنے والی صوبائی مخلوط حکومت میں بلوچستان کے تیسرے گورنر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اپنے دس ماہ کے دور میں انہوں نے انتظامی اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی، مقامی تعلیمی سہولتوں کی توسیع اور سول مکالمے کے فروغ پر زور دیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی حکمران پی پی پی اور اپوزیشن نیپ کے درمیان سیاسی اختلافات کے باوجود بزنجو نے 1973 کے آئین پاکستان پر اتفاقِ رائے پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

بنیادی حقوق، صوبائی خودمختاری اور پارلیمانی بالادستی کے تحفظ پر ان کا اصرار اس امر کا باعث بنا کہ نیپ نے آئینی معاہدے پر دستخط کیے۔

جب بھٹو نے 1973 کے اوائل میں غیر آئینی طور پر نیپ کی صوبائی حکومت برطرف کی تو بزنجو کو عطاء اللہ مینگل اور خیر بخش مری کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے کئی سال جیل میں گزارے اور بدنام زمانہ حیدرآباد سازش کیس کا سامنا کیا۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں انہوں نے تحریک بحالیِ جمہوریت (ایم آر ڈی) کی قیادت میں حصہ لیا، جس کا مقصد سویلین اور آئینی حکمرانی کی بحالی تھا۔

فرحت اللہ بابر

فرحت اللہ بابر تجربہ کار سیاست دان، انسانی حقوق کے کارکن، سابق صحافی اور خیبر پختونخوا سے پاکستان پیپلز پارٹی کے تین مرتبہ منتخب سینیٹر رہے ہیں۔

پارلیمان میں سول ملٹری تعلقات، آئینی بالادستی اور شہری آزادیوں کے حوالے سے ان کی آواز نمایاں رہی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ ریاستی اختیارات کی نگرانی ضروری ہے، خواہ اقتدار میں کوئی بھی سیاسی جماعت ہو۔

پاکستان کی سینیٹ میں سینیٹر بابر ماورائے عدالت حراستوں اور لاپتہ افراد کے معاملے پر مسلسل پارلیمانی آواز اٹھاتے رہے۔

انہوں نے بارہا مطالبہ کیا کہ انٹیلی جنس اداروں، جن میں آئی ایس آئی اور ملٹری انٹیلی جنس شامل ہیں، کو پارلیمانی نگرانی اور باقاعدہ قانونی دائرہ کار کے تحت لایا جائے۔

بابر نے سینیٹ کی خصوصی کمیٹی برائے حق معلومات کی صدارت کی اور شفافیت کے مضبوط قوانین کی تشکیل اور وکالت میں اہم کردار ادا کیا، تاکہ شہری ریاستی اداروں کو جواب دہ بنا سکیں۔

وہ اس امر کی نشاندہی کرتے رہے جسے انہوں نے ’’سیاست کی عدالتی تشکیل اور عدلیہ کی سیاسی تشکیل‘‘ قرار دیا، اور غیر منتخب مراکزِ طاقت کے ’’ریاست کے اندر ریاست‘‘ بننے کے خطرے سے خبردار کیا۔

ان کی دوٹوک تقاریر نے اکثر ان کی اپنی جماعت کی قیادت کو بھی مشکل صورتحال سے دوچار کیا۔

بابر اب بھی پی پی پی کے شعبہ انسانی حقوق کے سربراہ اور پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے فعال کونسل رکن کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ وہ خواتین، مذہبی اقلیتوں اور سیاسی مخالفین کے حقوق کے تحفظ کے لیے ترقی پسند قانون سازی کی مسلسل حمایت کرتے رہے ہیں۔

مزاحمت کے ساتھی

نیوز روم اور عدالتوں سے آگے بھی جمہوریت کو ثقافتی اور نچلی سطح پر کام کرنے والے کارکنوں اور منتظمین نے زندہ رکھا۔

حبیب جالب

(1928–1993)

انقلابی شاعر حبیب جالب کی تیز دھار شاعری ایوب خان سے لے کر ضیاء الحق تک ہر آمریت مخالف احتجاج کے لیے ایک آواز بن گئی۔

جب فیلڈ مارشل ایوب خان نے 1962 میں ایک مرکزیت پسند اور ریاستی طور پر تشکیل دیے گئے آئین کو نافذ کیا

تو جالب نے اپنی سب سے مشہور مزاحمتی نظم دستور لکھی:

''ایسے دستور کو، صبحِ بے نور کو
میں نہیں مانتا، میں نہیں جانتا''

جنرل ضیاء الحق کے دور میں جالب کو بار ہا گرفتار کیا گیا، قیدِ تنہائی میں رکھا گیا اور انہیں جسمانی تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔انہوں نے ظلمت کو ضیا جیسی نظموں میں ضیاء حکومت کی ریاستی سرپرستی میں مذہبی منافقت اور سنسرشپ کا کھل کر مذاق اڑایا:

''ظلمت کو ضیا،صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا''

موقع پرستانہ سیاسی رویوں کے برعکس جالب اپنے نظریاتی مؤقف پر غیر سمجھوتہ پسند شاعر تھے۔ وہ سویلین رہنماؤں، جن میں ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو بھی شامل تھیں، کو بھی اس وقت عوامی طور پر تنقید کا نشانہ بناتے جب انہیں محسوس ہوتا کہ ان کی حکومتیں جمہوری اصولوں سے ہٹ رہی ہیں یا محنت کش طبقے کے حقوق پورے نہیں کر رہیں۔

طاہرہ مظہر علی

(1924–2005)

طاہرہ مظہر علی بائیں بازو کی کارکن، حقوقِ نسواں کی علمبردار، ٹریڈ یونین رہنما اور آمریت مخالف جدوجہد کی سرگرم کارکن تھیں۔ چھ دہائیوں پر محیط ان کے سیاسی و سماجی سفر میں انہوں نے پاکستان میں نچلی سطح کی تنظیم سازی کو فروغ دیا اور خواتین کے حقوق کو محنت کش طبقے کے حقوق کے ساتھ براہِ راست جوڑا۔

1950 میں انہوں نے ایلس فیض، ہاجرہ مسعود اور خدیجہ عمر جیسی شخصیات کے ساتھ مل کر ڈیموکریٹک ویمنز ایسوسی ایشن (ڈی ڈبلیو اے) کی مشترکہ بنیاد رکھی، جسے پاکستان کی پہلی آزاد بائیں بازو کی خواتین تنظیم قرار دیا جاتا ہے۔

ڈی ڈبلیو اے نے اپنی سرگرمیوں کو صرف شہری اشرافیہ تک محدود رکھنے کے بجائے محنت کش طبقے کی آبادیوں اور ریلوے کالونیوں میں خواتین کو منظم کیا۔

ان کی قیادت میں پاکستان میں پہلی مرتبہ 8 مارچ کو عوامی سطح پر خواتین کا عالمی دن منایا گیا، جس میں خواتین کے مساوی سیاسی، معاشی اور سماجی حقوق کا مطالبہ کیا گیا۔

1971 میں وہ مغربی پاکستان کی ان چند آوازوں میں شامل تھیں جنہوں نے لاہور میں مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف عوامی احتجاج کیا۔اس کے نتیجے میں انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

جنرل ضیاء الحق کے فوجی دور میں انہیں مارشل لا کے احکامات، ریاستی سنسرشپ اور امتیازی قوانین، خصوصاً حدود آرڈیننس کے خلاف احتجاج منظم کرنے پر جیل بھیجا گیا۔

1981 میں انہوں نے نوجوان حقوقِ نسواں کی کارکنوں کے ساتھ مل کر ویمنز ایکشن فورم (ڈبلیو اے ایف) کے قیام اور اس کی عوامی احتجاجی مہمات کی حمایت کی۔

تنظیمی سرگرمیوں کے علاوہ وہ بے نظیر بھٹو کی آمریت مخالف جدوجہد کے دوران ان کی قابلِ اعتماد سیاسی رہنما اور قریبی مشیر بھی رہیں۔

حنا جیلانی

حنا جیلانی عالمی سطح پر معروف انسانی حقوق کی وکیل، پاکستان کی سپریم کورٹ کی ایڈووکیٹ اور جمہوریت کی حامی کارکن ہیں۔

اپنی بہن عاصمہ جہانگیر کے ساتھ انہوں نے پاکستان میں عوامی مفاد کے مقدمات اور خواتین، بچوں اور سیاسی مخالفین کے لیے قانونی دفاع کے ادارہ جاتی نظام کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

جیلانی نے 1981 میں ویمنز ایکشن فورم کی مشترکہ بنیاد رکھی، جس کا مقصد جنرل ضیاء الحق کے امتیازی حدود آرڈیننس اور قانونِ شہادت کے خلاف مزاحمت کو منظم کرنا تھا۔فروری 1983 میں لاہور میں ہونے والے تاریخی خواتین کے احتجاج کے دوران انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

جنرل پرویز مشرف کی جانب سے آئین معطل کرنے اور عدلیہ کو معزول کرنے کے خلاف وکلا کی مزاحمت کو منظم کرنے میں بھی انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔

حنا جیلانی اے جی ایچ لاء ایس ایسوسی ایٹس کی بانیان میں شامل ہیں۔ یہ پاکستان کی پہلی صرف خواتین پر مشتمل پہلی قانونی فرم تھی۔

اے جی ایچ ایس نے پاکستان میں پہلا قانونی امدادی مرکز قائم کیا، جہاں کمزور اور محروم طبقات کو بلا معاوضہ قانونی خدمات فراہم کی گئیں۔ ان میں غیرت کے نام پر قتل کے خطرے سے دوچار خواتین، بچوں سے مشقت لینے کے معاملات اور مارشل لا کے تحت قید سیاسی کارکن شامل تھے۔

1991 میں حنا جیلانی نے دستک قائم کی، جو گھریلو تشدد، جبری شادیوں اور ریاستی تشدد سے فرار ہونے والی خواتین کو محفوظ پناہ، قانونی تحفظ اور نفسیاتی معاونت فراہم کرنے والا مرکز ہے۔

نوابزادہ نصراللہ خان

(1916–2003)

نوابزادہ نصراللہ خان تجربہ کار سیاست دان، آئینی دانشور اور پارلیمانی حکمتِ عملی کے ماہر تھے، جنہیں وسیع پیمانے پر بابائے جمہوریت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

چھ دہائیوں پر محیط ان کا سیاسی سفر شدید اختلاف رکھنے والی سیاسی جماعتوں کو وسیع تر اپوزیشن اتحادوں میں متحد کرنے کی غیر معمولی صلاحیت سے عبارت تھا، تاکہ فوجی حکومتوں کو چیلنج کیا جا سکے اور سویلین حکمرانی بحال کی جا سکے۔

یہ تجربہ کار سیاسی حکمتِ عملی ساز متعدد مواقع پر شدید سیاسی اختلافات رکھنے والی جماعتوں کو تحریک بحالیِ جمہوریت (ایم آر ڈی) اور الائنس فار دی ریسٹوریشن آف ڈیموکریسی (اے آر ڈی) جیسے وسیع جمہوری اتحادوں کے تحت اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے۔نوابزادہ نصراللہ خان کی پاکستانی سیاست میں تاریخی خدمات میں سب سے نمایاں خوبی ان کی مختلف نظریاتی گروہوں کے درمیان پل بنانے کی صلاحیت تھی۔ انہوں نے بائیں بازو، دائیں بازو، سیکولر اور مذہبی جماعتوں کو ایک مشترکہ آمریت مخالف پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا۔

انہوں نے فاطمہ جناح کی صدارتی مہم کے دوران فیلڈ مارشل ایوب خان کے مقابل اپوزیشن اتحاد کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور اپوزیشن جماعتوں کے اس اتحاد کی تشکیل میں بھی نمایاں کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں ایوب خان کو بالآخر استعفیٰ دینا پڑا۔

جنرل ضیاء الحق کے مارشل لا کے دوران قائم ہونے والے تاریخی ایم آر ڈی اے کے اہم معماروں میں وہ شامل تھے۔اس اتحاد میں پاکستان پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی، پی ڈی پی اور دیگر جماعتیں شامل تھیں، جن کا مطالبہ عام انتخابات اور 1973 کے آئین کی بحالی تھا۔

جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکومت کے خلاف بھی انہوں نے ایک وسیع اپوزیشن اتحاد منظم کیا، جس میں روایتی سیاسی حریف پی پی پی اور پی ایم ایل این بھی ایک پلیٹ فارم پر آئے۔ اس اتحاد نے بالآخر 2006 کے چارٹر آف ڈیموکریسی کے لیے سیاسی بنیاد فراہم کی۔

کارواں گامزنِ منزل

ان شخصیات کی میراث صرف ماضی کی تاریخ نہیں بلکہ ایک جاری وساری ذمہ داری اور جدوجہد کی یاد دہانی ہے۔

پاکستان آج بھی پیچیدہ سیاسی مسائل سے گزر رہا ہے۔

ان صحافیوں، قانون دانوں اور کارکنوں کی دکھائی ہوئی جرات ہمیں یاد دلاتی ہے کہ جمہوریت کبھی محض عطا نہیں ہوتی۔

جمہوریت کو قدم بہ قدم ان لوگوں کے ذریعے زندہ رکھا جاتا ہے جو سچ، آئین، انسانی وقار، آزادی اور بنیادی حقوق کے دفاع کے لیے کھڑے ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

لکھاری ایک سینئر صحافی ہیں اور سماجی، سیاسی، ماحولیاتی و قانونی معاملات پر مختلف قومی و عالمی مطبوعات میں باقاعدگی سے لکھتی ہیں

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ وائس پی کے)

جب ریاستیں ناکام اور قومیں زوال پذیر ہوتی ہیں

چوہدری طارق نذیر

یہاں مسئلہ مذہب نہیں بلکہ مذہب کے نام پر جہالت اور استحصال ہے

"تہذیبیں اس وقت نہیں مرتیں جب ان کی سرحدیں ٹوٹتی ہیں، بلکہ اس وقت مرنا شروع ہوتی ہیں جب ان کے ضمیر خاموش ہو جاتے ہیں۔"

ریاستوں کا زوال کسی اچانک آنے والے طوفان کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک خاموش، تدریجی اور مسلسل عمل ہے، جو برسوں بلکہ دہائیوں تک جاری رہتا ہے۔ ابتدا میں اس تبدیلی کا احساس نہیں ہوتا۔ عدالتیں قائم رہتی ہیں، پارلیمان کے اجلاس ہوتے رہتے ہیں، سرکاری دفاتر کھلے رہتے ہیں، بازار آباد دکھائی دیتے ہیں اور سڑکوں پر زندگی اپنی رفتار سے رواں رہتی ہے۔ بظاہر سب کچھ معمول کے مطابق ہوتا ہے، مگر ریاست کے جسم کے اندر ایک ایسا مرض جنم لے چکا ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا رہتا ہے۔

سچائی کی جگہ مصلحت، دیانت کی جگہ مفاد، قانون کی جگہ طاقت، علم کی جگہ جہالت اور خدمت کی جگہ ذاتی منفعت اپنی جڑیں مضبوط کرنے لگتی ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ریاست بظاہر قائم ہوتی ہے، مگر اس کا اخلاقی وجود اندر سے منہدم ہو چکا ہوتا ہے۔

قوموں کے زوال کی پہلی علامت اکثر عمارتوں کا گرنا نہیں بلکہ اصولوں کا گرنا ہوتی ہے۔ جب ایک معاشرے میں لوگ قانون کی پابندی اس لیے نہ کریں کہ قانون درست ہے بلکہ اس لیے کریں کہ انہیں سزا کا خوف ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ اخلاقی بنیاد کمزور ہو رہی ہے۔ جب طاقتور شخص قانون سے بالاتر اور کمزور شخص قانون کے بوجھ تلے دبا ہوا دکھائی دے تو ریاست کا سب سے اہم ستون، یعنی انصاف، متزلزل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

انصاف کا زوال

کسی بھی ریاست کی حقیقی طاقت اس کے ہتھیار، خزانے یا بلند و بالا عمارتیں نہیں بلکہ انصاف ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں ایک عام شہری کو یقین ہو کہ اس کے ساتھ ناانصافی کی صورت میں قانون اس کا ساتھ دے گا، وہاں ریاست مضبوط ہوتی ہے۔ لیکن جب انصاف خرید و فروخت کی چیز بن جائے، مقدمات برسوں چلتے رہیں، سفارش میرٹ پر غالب آ جائے اور طاقتور کے لیے الگ قانون اور کمزور کے لیے الگ قانون محسوس ہونے لگے تو عوام کا ریاست پر اعتماد ختم ہونے لگتا ہے۔

ریاست اور شہری کے درمیان سب سے مضبوط رشتہ اعتماد کا ہوتا ہے۔ جب یہ اعتماد ٹوٹ جائے تو آئین کی کتاب موجود رہتی ہے، ادارے بھی موجود رہتے ہیں، مگر ان کی روح کمزور ہو جاتی ہے۔

علم کے بجائے جہالت

قوموں کی ترقی کا راستہ علم، تحقیق، سوال اور دلیل سے ہو کر گزرتا ہے۔ مگر زوال پذیر معاشروں میں سوال کرنے والا شخص پریشان کن سمجھا جانے لگتا ہے اور خوشامد کرنے والا دانشور قرار پاتا ہے۔ تحقیق کی جگہ نقل، دلیل کی جگہ جذبات اور علم کی جگہ افواہیں لے لیتی ہیں۔

> **مولانا ابوالکلام آزاد کی فکر ہمیں آزادیِ فکر، علم اور شعور کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک حقیقی ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس کے افراد سوچنے، سوال کرنے اور حقیقت کو پرکھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔**

ایسے معاشروں میں لوگ کتاب سے زیادہ غیر مصدقہ پیغام پر یقین کرنے لگتے ہیں۔ سوشل میڈیا کی ایک جھوٹی خبر چند منٹوں میں ہزاروں لوگوں تک پہنچ جاتی ہے، جبکہ ایک مستند تحقیق شاید چند سو افراد تک بھی نہ پہنچ سکے۔ یوں جھوٹ صرف جھوٹ نہیں رہتا بلکہ اجتماعی رائے بنانے کی طاقت حاصل کر لیتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی فکر ہمیں آزادیِ فکر، علم اور شعور کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک حقیقی ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس کے افراد سوچنے، سوال کرنے اور حقیقت کو پرکھنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔

کردار کا بحران

زوال پذیر معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہوتا ہے کہ وہاں کامیابی کا معیار کردار نہیں رہتا۔ دولت، عہدہ، شہرت، تعلقات اور ظاہری نمود و نمائش انسان کی قدر کا پیمانہ بن جاتے ہیں۔

دیانت دار شخص کو سادہ لوح اور اصول پسند انسان کو ناکام سمجھا جانے لگتا ہے۔ دوسری طرف وہ شخص جو جھوٹ، فریب، سفارش یا خوشامد کے ذریعے آگے نکل جائے، اسے کامیاب تصور کیا جاتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں قوموں کی اخلاقی بنیادیں کمزور ہونا شروع ہوتی ہیں۔

جب برائی کرنے والا شرمندہ نہ ہو اور اچھائی کرنے والا تنہا رہ جائے تو معاشرہ زوال کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے۔

مذہب اور روحانیت کا استحصال

مذہب انسان کو اخلاق، سچائی، عدل، رحم اور خدا خوفی سکھاتا ہے۔ لیکن جب مذہب بھی ذاتی مفاد، کاروبار یا اقتدار کا ذریعہ بنا دیا جائے تو اس کا سب سے بڑا نقصان معاشرے کے اخلاقی شعور کو پہنچتا ہے۔

جعلی روحانی پیشوا، نجومی، تعویذ فروش اور توہم پرستی پھیلانے والے عناصر اس وقت طاقت حاصل کرتے ہیں جب معاشرہ علم اور عقل سے دور ہو جاتا ہے۔ لوگ محنت، تحقیق اور ذمہ داری کے بجائے آسان اور فوری حل تلاش کرنے لگتے ہیں۔

یہاں مسئلہ مذہب نہیں بلکہ مذہب کے نام پر جہالت اور استحصال ہے۔

سیاست جب خدمت نہ رہے

سیاست دراصل عوام کی خدمت اور اجتماعی مسائل کے حل کا ذریعہ ہونی چاہیے۔ لیکن جب سیاست صرف اقتدار حاصل کرنے، دولت بنانے یا ذاتی مفادات کے تحفظ کا ذریعہ بن جائے تو ریاستی ادارے بھی اس کشمکش کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ سیاست میں اختلافِ رائے جمہوریت کی علامت ہے، لیکن اختلاف کو دشمنی میں تبدیل کر دینا معاشرے کو تقسیم کر دیتا ہے۔ جب ہر سیاسی مخالف غدار، دشمن یا ناقابلِ قبول سمجھا جانے لگے تو مکالمہ ختم ہو جاتا ہے اور معاشرہ گروہوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

ایک زندہ قوم اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو سننے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

میڈیا اور سوشل میڈیا کا کردار

آج اطلاعات کا دور ہے۔ ایک طرف یہ دور علم اور شعور پھیلانے کا بے مثال موقع فراہم کرتا ہے، دوسری طرف جھوٹ، نفرت اور افواہوں کے پھیلاؤ کا خطرہ بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

افواہ جب خبر بن جائے، الزام جب ثبوت کا محتاج نہ رہے اور کسی شخص کی عزت چند لمحوں میں ایک جھوٹے پیغام سے مجروح کر دی جائے تو یہ صرف ٹیکنالوجی کا مسئلہ نہیں رہتا بلکہ اخلاقی بحران بن جاتا ہے۔

ہمیں یہ سیکھنا ہوگا کہ ہر وائرل چیز سچ نہیں ہوتی، ہر بلند آواز درست نہیں ہوتی اور ہر مقبول شخص قابلِ اعتماد نہیں ہوتا۔

نوجوان اور مستقبل

قوموں کا مستقبل ان کے نوجوانوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر نوجوانوں کو علم، تحقیق، کردار، محنت اور خدمت کا راستہ ملے تو وہ قوم کو نئی بلندیوں تک لے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں صرف نمود، دولت، شہرت اور فوری کامیابی کا خواب دکھایا جائے تو معاشرہ اپنی اگلی نسل بھی کمزور کر دیتا ہے۔

تعلیم کا مقصد صرف ڈگری حاصل کرنا نہیں بلکہ انسان بنانا ہے۔ ایسا انسان جو سچ بول سکے، غلط کے سامنے کھڑا ہو سکے، اپنے فرائض ادا کرے اور اپنے فائدے کے ساتھ معاشرے کے فائدے کو بھی سامنے رکھے۔

تاریخ ہمیں کیا بتاتی ہے؟

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ بڑی بڑی سلطنتیں صرف بیرونی دشمنوں کے ہاتھوں ختم نہیں ہوئیں۔ بیرونی حملہ اکثر اس وقت کامیاب ہوتا ہے جب اندرونی کمزوریاں پہلے ہی ریاست کو کھوکھلا کر چکی ہوں۔ جب حکمران عیش و عشرت میں مبتلا ہوں، ادارے کمزور ہوں، خزانے خالی ہوں، انصاف بکتا ہو، عوام مایوس ہوں اور معاشرے میں باہمی اعتماد ختم ہو جائے تو بیرونی طاقت صرف آخری ضرب لگاتی ہے۔

اسی لیے قوموں کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے کردار کی سرحدوں کی بھی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔

فیض احمد فیض کا پیغام آج بھی ہمارے لیے اہم ہے:

"بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے"

یہ صرف ایک شاعر کی آواز نہیں بلکہ ہر اس معاشرے کے لیے پیغام ہے جو سچ سننے اور سچ کہنے کی ہمت کھو رہا ہو۔ تاہم سچ بولنے کے ساتھ سچ سننے کا حوصلہ بھی ضروری ہے، کیونکہ اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب معاشرہ اپنے عیوب کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو۔

کیا زوال کا سفر واپس پلٹ سکتا ہے؟

یقیناً!

تاریخ کا سب سے خوبصورت سبق یہی ہے کہ زوال آخری منزل نہیں۔ قومیں دوبارہ اٹھ سکتی ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں کو پہچانیں اور اصلاح کا آغاز دوسروں سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے کریں۔

ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم سفارش کے بجائے میرٹ، جھوٹ کے بجائے سچ، طاقت کے بجائے انصاف، جہالت کے بجائے علم، نفرت کے بجائے برداشت اور مفاد کے بجائے خدمت کو ترجیح دیں گے۔ ہمیں اپنے گھروں میں کردار سازی، اسکولوں میں اخلاقی تربیت، اداروں میں میرٹ، عدالتوں میں انصاف اور سیاست میں دیانت کو دوبارہ اہمیت دینا ہوگی۔

صرف قوانین بنانے سے معاشرے نہیں بدلتے۔ قانون کے ساتھ کردار بھی ضروری ہے۔ آئین ریاست کا ڈھانچہ فراہم کرتا ہے، مگر اس ڈھانچے کو زندہ رکھنے کے لیے دیانت دار انسان درکار ہوتے ہیں۔

آخرکار بات پھر وہیں آتی ہے جہاں سے شروع ہوئی تھی: تہذیبیں اس وقت نہیں مرتیں جب ان کی عمارتیں گرنے لگتی ہیں؛ وہ اس وقت مرنا شروع ہوتی ہیں جب ان کے ضمیر خاموش ہو جاتے ہیں۔

ریاستیں آئین سے چلتی ہیں، مگر زندہ کردار سے قائم رہتی ہیں۔ ادارے قوانین سے بنتے ہیں، مگر اعتماد دیانت سے پیدا ہوتا ہے۔ قومیں نعروں سے نہیں بلکہ اپنے اجتماعی اخلاق، انصاف، علم، محنت اور ذمہ داری کے احساس سے زندہ رہتی ہیں۔ اگر ہم واقعی ایک مضبوط، مہذب، خوددار اور باوقار ریاست کے خواہاں ہیں تو ہمیں صرف حکمرانوں کو بدلنے کی خواہش نہیں کرنی چاہیے؛ ہمیں اپنے رویے بدلنے ہوں گے۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ریاست صرف حکومت کا نام نہیں، ریاست ہم سب کے اجتماعی کردار کا آئینہ بھی ہے۔

قوموں کا اصل سرمایہ ان کے سونے کے ذخائر، تیل کے کنویں، بلند عمارتیں یا جدید ہتھیار نہیں ہوتے۔ ان کا اصل سرمایہ بااصول، باکردار، تعلیم یافتہ اور ذمہ دار انسان ہوتے ہیں۔ اگر ضمیر زندہ ہو، علم کی روشنی موجود ہو، انصاف قائم ہو اور انسان اپنے فرض کو پہچان لے تو زوال پذیر قوم بھی دوبارہ اٹھ سکتی ہے۔ کیونکہ قومیں اس وقت تباہ نہیں ہوتیں جب ان کے وسائل کم ہو جائیں؛ وہ اس وقت تباہ ہوتی ہیں جب ان کے انسان امید، کردار اور ذمہ داری سے محروم ہو جائیں۔

اور اگر کردار ابھی زندہ ہے، ضمیر ابھی جاگ سکتا ہے اور سچ کہنے کی ہمت ابھی باقی ہے، تو پھر اصلاح کا دروازہ بھی کھلا ہے اور ایک نئے عروج کی امید بھی باقی ہے۔

چوہدری طارق نذیر (قلمی نام: طارق شیلے) محقق، کالم نگار اور مصنف ہیں۔ آپ انسانی حقوق انصاف معاشیات اور سماجی موضوعات پر مستقل لکھتے ہیں۔ ان سے
m.bluestar@yahoo.com
پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

17 ہزار چیخیں اور 6 فیصد انصاف، جب گلگت بلتستان بھی محفوظ نہ رہا

اسرار الدین اسرار

سینٹ کی کمیٹی نے جو سفارشات دی ہیں ان پر اب قومی سطح پر عمل کرنا ناگزیر ہے

اسلام آباد میں سینیٹ کی فنکشنل کمیٹی برائے انسانی حقوق کا اجلاس صرف ایک اجلاس نہیں تھا بلکہ پورے پاکستان کے زخمی بچوں کا ایک نوحہ تھا۔ سینیٹر ثمینہ ممتاز زہری کی صدارت میں ہونے والے اس اجلاس میں جو قومی سطح کے اعداد و شمار سامنے آئے وہ کسی بھی مہذب معاشرے کے لیے شرمندگی کا باعث ہیں۔ نیشنل کمیشن برائے حقوق اطفال کے مطابق صرف سال 2025 میں ملک بھر میں بچوں سے زیادتی کے 17 ہزار کیسز رپورٹ ہوئے۔ چائلڈ رائٹس تنظیم ساحل کی سالانہ رپورٹ اس کی تصدیق کرتی ہے جس کے مطابق 2025 میں 3630 کیسز اخبارات میں رپورٹ ہوئے جو 2024 کے مقابلے میں 8 فیصد زیادہ ہیں، یعنی روزانہ 9 سے زائد بچے زیادتی کا شکار بنے۔ اور 2026 کے صرف پہلے چھ ماہ میں یہ تعداد 1914 تک پہنچ چکی ہے جن میں 1015 کیسز جنسی استحصال کے، 558 اغوا کے اور 98 کیسز زیادتی کے بعد فحش ویڈیوز بنانے کے ہیں۔ ان میں سے 45 فیصد واقعات بچوں کے اپنے گھروں میں ہوئے اور 43 فیصد مجرم جاننے والے نکلے، یہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ خطرہ باہر نہیں ہمارے اپنے گھروں اور گلیوں میں موجود ہے۔

جب ہم قومی اعداد و شمار سے نکل کر صوبائی سطح پر آتے ہیں تو کہانی مزید تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ خیبر پختونخوا میں 625 کیسز رجسٹرڈ ہوئے، 576 پر کارروائی ہوئی، 300 سے زائد ٹرائل کے لیے گئے لیکن سزا کی شرح صرف 6 فیصد رہی۔ صوبے میں بچوں کے آپس میں زیادتی کے 855 کیسز رپورٹ ہوئے جبکہ ملک بھر میں ایسے 1700 سے زائد کیسز ہیں جس کی وجہ حکام نے گھروں میں فحش مواد تک بچوں کی آسان رسائی کو قرار دیا۔ پنجاب میں صورتحال اس سے بھی بدتر ہے جہاں جدید فرانزک لیبز ہونے کے باوجود 12 ہزار سے زائد کیسز التوا میں ہیں، سینیٹر ایمل ولی خان نے بجا طور پر سوال اٹھایا کہ سہولت ہونے کے باوجود انصاف کیوں نہیں مل رہا۔ پنجاب پراسیکیوشن نے خود اعتراف کیا کہ آخری بار بڑی سزا 2019 میں دی گئی تھی۔ بلوچستان کی بریفنگ پر کمیٹی اتنی غیر مطمئن ہوئی کہ اس نے صوبے کا سرکاری نگرانی والا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اور اب یہ آگ گلگت بلتستان تک پہنچ چکی ہے، وہ خطہ جو اپنی خوبصورتی اور سیاحت کے لئے مشہور تھا اب یہاں بچوں کے ساتھ زیادتی کے کیسز میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ساحل کی رپورٹ میں گلگت بلتستان سے کیسز کا تناسب 5 فیصد کے اندر بتایا گیا ہے مگر ماہرین کہتے ہیں کہ یہ کم تعداد کم جرم کی وجہ سے نہیں بلکہ انتہائی کم رپورٹنگ کی وجہ سے ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن کے مطابق گلگت چائلڈ پروٹیکشن یونٹ میں صرف 2024 میں 33 کیسز رپورٹ ہوئے۔

اس کے بعد 2025 میں دو انتہائی افسوسناک کیسز سامنے آئے۔ فروری 2025 میں سکردو کے تھانہ حسین آباد میں 11 سالہ بچے کو چائے کے ہوٹل پر بلا کر سپورٹس کمپلیکس میں تین افراد نے زیادتی کا نشانہ بنایا۔

حالیہ برسوں میں گلگت شہر اور اس کے گرد و نواح میں جو واقعات ہوئے ہیں انہوں نے اس مفروضے کو توڑ دیا ہے کہ یہ خطہ محفوظ ہے۔ مارچ 2024 میں گلگت کے نواحی گاؤں سلطان آباد سے 13 سالہ بچی کا اغوا اور کم عمری شادی کا کیس سامنے آیا۔ 2024 میں گلگت بلتستان اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر سعدیہ دانش نے انکشاف کیا کہ ضلع استور سے 70 سے 80 کم عمر بچیوں کو شادی کے نام پر پنجاب اور آزاد کشمیر میں اسمگل کیا گیا ہے، ان میں ایک 13 سالہ بچی کو دو بار شادی کے نام پر بیچا گیا۔ یہ انسانی اسمگلنگ کا واقع تھا۔

اس کے بعد 2025 میں دو انتہائی افسوسناک کیسز سامنے آئے۔ فروری 2025 میں سکردو کے تھانہ حسین آباد میں 11 سالہ بچے کو چائے کے ہوٹل پر بلا کر سپورٹس کمپلیکس میں تین افراد نے زیادتی کا نشانہ بنایا۔ مارچ 2025 میں ضلع غذر کی تحصیل یاسین میں ایک 13 سالہ گونگی بہری بچی کے ساتھ زیادتی ہوئی جو بعد میں مردہ بچے کو جنم دیتے ہوئے ہسپتال میں دم توڑ گئی، پولیس نے ڈی این اے سیمپلز کی مدد سے ملزم کو گرفتار کیا۔ اور تازہ ترین واقعہ اگست 2026 میں ہنزہ علی آباد کا ہے جہاں رستم پیلس ہوٹل میں 14 سالہ بچے کو قید کر کے زیادتی کا نشانہ بنایا گیا، جس پر سیکشن 377، 365 اور 342 کے تحت مقدمہ درج ہوا اور چار ملزمان گرفتار ہوئے۔ قبل ازیں گلگت میں راجہ کاشان کا اغواء اور مبینہ زیادتی اور قتل کا واقع، بسین کھاری میں بچے کے ساتھ مبینہ زیادتی کا واقع، شگر میں بچے کے ساتھ زیادتی کا حالیہ واقع سمت متعدد دیگر واقعات منظر عام پر آتے رہے ہیں۔

بچوں کے ساتھ زیادتی کے کیسز مقامی عدالتوں میں زیر سماعت ہیں جبکہ اس کے علاوہ بچوں کے ساتھ ناانصافی کے سینکڑوں کیسز سامنے آنے سے قبل ہی دبا دیے جاتے ہیں۔

سینیٹ کمیٹی کی کارروائی میں مذکورہ واقعات پر شدید تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس دوران خیبر پختونخوا کے ڈی آئی جی انویسٹی گیشن اور محکمہ داخلہ کے حکام نے رپورٹ پیش کی، چیف چائلڈ پروٹیکشن آفیسر نے چائلڈ پروٹیکشن ایکٹ 2010 کا حوالہ دیا۔ کمیٹی نے اسلام آباد کے ویسٹ منسٹر سکول میں 4 سالہ بچی کے کیس پر سکول کی جانب سے واقعہ چھپانے پر سخت برہمی کا اظہار کیا۔ سینیٹر حافظ کریم نے کہا کہ سزائیں قانون میں لکھی ہیں مگر عملدرآمد نا کام ہے۔

سینٹ کی کمیٹی نے جو سفارشات دی ہیں ان پر اب قومی سطح پر عمل کرنا ناگزیر ہے۔ کمیٹی نے حکم دیا کہ خیبر پختونخوا کمیونٹی پروٹیکشن یونٹس کے ٹی او آرز فوری جمع کرائے، جو بھی سکول کیس چھپائے اسے بند کیا جائے، جاوید رشید قتل کیس میں ملزمان کی ضمانت منسوخ کرائی جائے، آئی جی پنجاب پراسیکیوشن کے ساتھ مل کر کام کرے، ویسٹ منسٹر کی بچی سے ملاقات کے لیے کمیٹی خود جائے گی اور بلوچستان کا نگرانی والا دورہ کیا جائے گا۔ ساتھ ہی سیکرٹری وزارت انسانی حقوق کو ہدایت کی گئی کہ آئندہ تمام صوبے اور گلگت بلتستان کے نمائندے مکمل تیاری سے آئیں۔

اب قومی سطح پر تین بڑے اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔ پہلا، ہر صوبے اور گلگت بلتستان میں فرانزک لیب اور چائلڈ پروٹیکشن کورٹ کا قیام تاکہ 6 فیصد سزا کی شرح کو بڑھایا جا سکے۔ دوسرا، گلگت بلتستان چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ریسپانس ایکٹ 2017 پر صحیح معنوں میں عملدرآمد، چائلڈ پروٹیکشن کمیشن کو عملہ اور فنڈز دینا، اور پورے ملک میں ہوٹلز، ہاسٹلز اور سکولوں کے لیے قومی ویریفکیشن اور 24 گھنٹے میں رپورٹنگ لازمی قرار دینا۔ تیسرا، چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ پر سختی سے عمل، جعلی شناختی کارڈ بنانے والوں کے خلاف کارروائی۔

اگر گلگت جیسے پر امن علاقے میں متعدد بچے، استور، کی بچیاں، غذر کی گونگی بہری بچی اور ہنزہ، سکردو، دیامر، نگر، گانچھے، شگر اور کھرمنگ کے بچے بھی محفوظ نہیں تو ملکی سطح پر 17 ہزار کا عدد اگلے سال 30 ہزار ہو جائے گا اور ہم صرف اجلاسوں کی کارروائی پڑھتے رہ جائیں گے۔

لکھاری سماجی کارکن اور ایچ آر سی پی گلگت آفس کے کو آرڈینیٹر ہیں اور اکثر سماجی موضوعات پر مضامین لکھتے ہیں۔

تیراہ متاثرین کی واپسی: 24 ستمبر تک پیش رفت اور 30 ستمبر سے پہلے نوٹیفکیشن کا مطالبہ

باڑہ عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی) ضلع خیبر کے زیرِ اہتمام تیراہ متاثرین کے جائز حقوق اور زیرِ التوا مطالبات کے حق میں باڑہ خیبر چوک میں ایک عظیم الشان احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔ اے این پی نے مطالبہ کیا کہ 24 ستمبر سے پہلے متاثرین کے مطالبات پر عملی پیش رفت کی جائے، جبکہ 30 ستمبر سے پہلے تیراہ متاثرین کی واپسی کا واضح سرکاری نوٹیفکیشن جاری کیا جائے۔ اگر فوری واپسی ممکن نہ ہو تو تیار فصلوں کے نقصانات کا مکمل معاوضہ فراہم کیا جائے۔ احتجاجی مظاہرے کی صدارت ضلعی صدر عبدالرزاق آفریدی نے کی، جبکہ باجوڑ سے اے این پی کے رکنِ صوبائی اسمبلی نثار باز سمیت پارٹی عہدیداروں اور کارکنوں نے بھی بھرپور شرکت کی۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے ضلعی صدر عبدالرزاق آفریدی نے کہا کہ "آج کا احتجاج صرف ایک اشارہ ہے۔ اگر مطالبات پورے نہ ہوئے تو وہ ہزاروں سرخ پوش کارکنوں اور متاثرین کے ساتھ پشاور کے ایوانوں کا رخ کریں گے۔" انہوں نے مزید کہا کہ لوگ ماضی میں طویل جنگ اور بدامنی کا شکار رہے ہیں، اس لیے متاثرین کی رجسٹریشن اور تصدیق کا عمل سرکاری سطح پر شفاف طریقے سے مکمل کیا جائے تاکہ باہمی اعتماد بحال رہے۔ رکنِ صوبائی اسمبلی نثار باز نے ضلعی صدارت کی بہترین قیادت پر عبدالرزاق آفریدی کو خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا کہ باجوڑ میں اے این پی کی موثر آواز کے نتیجے میں 48 دنوں کے اندر متاثرین کی واپسی ممکن ہوئی، لیکن ضلع خیبر میں نمائندے ہونے کے باوجود تیراہ متاثرین کے مسائل تاحال حل طلب ہیں۔ اے این پی نے مطالبہ کیا کہ غیر رجسٹرڈ متاثرین کی فوری رجسٹریشن اور امدادی سمز جاری کی جائیں، سڑکوں، چیک پوسٹوں اور سرکاری منصوبوں کی زد میں آنے والی زمینوں اور مسمار شدہ مکانات کا منصفانہ معاوضہ ادا کیا جائے، تیراہ، راجگال، سنڈاپال اور درے نغری کے متاثرین کی باعزت واپسی اور دیگر آئی ڈی پیز کی طرز پر مکمل پیکیج فراہم کیا جائے اور بار بار کمیٹیاں بنانے کے بجائے ضلعی انتظامیہ کو براہِ راست عملی اقدامات کا اختیار دیا جائے۔ پارٹی قیادت نے خبردار کیا کہ مطالبات حل نہ ہونے کی صورت میں احتجاج کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے صوبائی اسمبلی، گورنر ہاؤس اور قلعہ بالا حصار کے سامنے دھرنا دیا جائے گا۔

(مسعود شاہ)

پسند کی شادی کرنے والا 19 سالہ نوجوان قتل

سامارو تقریباً 8 ماہ قبل پسند کی شادی کرنے والے 19 سالہ نوجوان اظہر علی کھوسو کو مسلح افراد نے فائرنگ کرکے قتل کر دیا۔ تفصیلات کے مطابق، ضلع عمرکوٹ کی تحصیل سامارو کے گوٹھ غلام رسول کھوسو کے رہائشی 19 سالہ اظہر علی ولد گل حسن کھوسو نے تقریباً 8 ماہ قبل اپنی ہی برادری کی 18 سالہ ثریا کھوسو سے پسند کی شادی کی تھی۔ ورثا کے مطابق، 19 ستمبر 2026 کو نوجوان اظہر علی کھوسو ٹنڈو محمد خان کی عدالت میں پیشی سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا کہ بدین روڈ پر کریم آباد کے نزدیک مسلح افراد نے اس پر فائرنگ کر دی، جس سے وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ اطلاع ملنے پر متعلقہ پولیس نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر لاش تحویل میں لے کر ٹنڈو محمد خان ہسپتال منتقل کی، جہاں ڈاکٹروں نے موت کی تصدیق کر دی۔ پوسٹ مارٹم کے بعد لاش ورثا کے حوالے کر دی گئی، جسے تدفین کے لیے آبائی گوٹھ منتقل کر دیا گیا۔

(نامہ نگار)

مغوی کی عدم بازیابی پر احتجاج

لنڈی کوتل ایک ماہ سے لاپتہ حاجی محمد ظریف سے 3 لاکھ ڈالر تاوان کا مطالبہ؛ طورخم بائی پاس روڈ پر احتجاجی دھرنا۔ ایک ماہ سے لاپتہ حاجی محمد ظریف عرف حاجی لنڈے کے معاملے میں اہم پیش رفت سامنے آئی ہے۔ اہلِ خانہ کے مطابق نامعلوم افراد نے ان کی رہائی کے بدلے 3 لاکھ امریکی ڈالر تاوان کا مطالبہ کیا ہے۔ حاجی محمد ظریف کی مبینہ جبری گمشدگی کے خلاف اہلِ علاقہ اور لواحقین نے لنڈی کوتل میں پاک افغان شاہراہ (طورخم بائی پاس روڈ) کو مکمل طور پر بند کرکے احتجاجی دھرنا دے دیا ہے۔ مظاہرین نے مغوی کی فوری بازیابی، معاملے کی شفاف تحقیقات اور ذمہ داروں کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ احتجاج کے باعث پاک افغان شاہراہ پر ٹریفک کی روانی شدید متاثر ہوئی ہے اور بڑی تعداد میں گاڑیاں پھنس گئی ہیں۔ لواحقین کا کہنا ہے کہ گمشدگی کو ایک ماہ گزرنے کے باوجود بازیابی ممکن نہیں ہو سکی، لہٰذا حکام مغوی کی بحفاظت واپسی کے لیے فوری اور مؤثر اقدامات کریں۔

(نامہ نگار)

پسند کی شادی کی بنا پر ایک اور قتل

عمرکوٹ پسند کی شادی کے تنازع پر موٹر سائیکل سوار 3 ملزمان نے چوپائے مال (مویشیوں) کے 35 سالہ بیوپاری بشیر ولد اللہ بچایو کپری کو کلہاڑیوں کے پے در پے وار کرکے بے دردی سے قتل کر دیا اور فرار ہو گئے۔ یہ واقعہ 3 ستمبر 2026 کو ضلع عمرکوٹ کے علاقے کنری کے قریب بستاں روڈ پر پیٹرول پمپ کے پاس پیش آیا، جب مقتول موٹر سائیکل پر اپنے گوٹھ جا رہا تھا۔ علاقہ مکینوں کی اطلاع پر کنری پولیس نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر لاش تحویل میں لے کر تعلقہ ہسپتال کنری منتقل کی، جہاں پوسٹ مارٹم کے بعد لاش ورثا کے حوالے کر دی گئی۔ مقتول کے بھائی کے مطابق: "میرے بھائی بشیر نے تقریباً ایک سال قبل اپنی ہی برادری کی ایک لڑکی سے پسند کی شادی کی تھی۔ اس بات پر تنازع پیدا ہوا جو عدالت میں بیانات کے باوجود ختم نہ ہو سکا اور کشیدگی برقرار رہی۔ اسی تنازع کی بنا پر تینوں ملزمان نے کنری شہر سے گھر جاتے ہوئے راستے میں اسے قتل کر دیا۔" مقتول کے بھائی نے مزید بتایا کہ بشیر پہلے سے شادی شدہ اور 3 بچوں کا باپ تھا۔

(نامہ نگار)

دو ماہ سے گیس کی عدم فراہمی پر صارفین کی مشکلات

نوشکی نوشکی میں 24 جولائی سے گیس پلانٹ میں اسٹاک ختم ہونے کے باعث گزشتہ دو ماہ سے گیس کی فراہمی معطل ہے۔ اس سے صارفین، بالخصوص خواتین کو امورِ خانہ داری میں شدید مشکلات، وقت کے ضیاع اور مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ دو ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود گیس کی عدم فراہمی منتخب عوامی نمائندوں اور متعلقہ حکام کی کارکردگی پر سوالیہ نشان ہے۔ اس کے باوجود صارفین کو گیس کے بل بھجوانا باعثِ تشویش ہے۔ نوشکی کے گیس صارفین نے جنرل منیجر گیس بلوچستان سے مطالبہ کیا ہے کہ نوشکی گیس پلانٹ سے صارفین کو گیس کی فراہمی یقینی بنانے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر عملی اقدامات کیے جائیں۔

(محمد سعید)

گرینڈ جرگہ کا تیراہ متاثرین کی واپسی اور بقایاجات کا مطالبہ

جمرود ضلع خیبر کی تحصیل جمرود میں ملک نصیر احمد کوکی خیل کی زیرِ نگرانی قومِ کوکی خیل کا ایک گرینڈ جرگہ منعقد ہوا، جس میں قوم کے مشران اور نوجوانوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ جرگے میں تیراہ راجگال کے متاثرین کی باعزت واپسی، ریگی للمہ کی زمین پر کوکی خیل قوم کی مشترکہ ملکیت اور صوبائی حکومت کے ذمے تیراہ متاثرین کے بقایا 55 کروڑ روپے کی ادائیگی سمیت علاقے کو درپیش دیگر اہم مسائل پر تفصیلی مشاورت کی گئی۔ مشران نے تمام امور پر غور وخوض کے بعد مسائل کے حل کے لیے مشترکہ لائحِ عمل اختیار کرنے پر اتفاق کیا۔ بعدازاں ملک نصیر احمد کوکی خیل، حاجی خان محمد طور خیل، حاجی برکت علی کھٹیا خیل اور کمیٹی کے دیگر اراکین نے اسسٹنٹ کمشنر جمرود سلمان ہستم سے ان کے دفتر میں ملاقات کی۔ ملاقات کے دوران تیراہ متاثرین کے صوبائی حکومت کے ذمے بقایا 55 کروڑ روپے اور سال 2024ء میں حکومت کے ساتھ ہونے والے معاہدے پر تفصیلی گفتگو کی گئی۔ اس موقع پر ملک نصیر احمد کوکی خیل نے متعلقہ دستاویزات کے ہمراہ اسسٹنٹ کمشنر جمرود کو تحریری درخواست بھی جمع کرائی، جس میں تیراہ متاثرین کے بقایا واجبات کی ادائیگی، 2024ء کے معاہدے پر عملدرآمد اور دیگر مسائل کے فوری حل کا مطالبہ کیا گیا۔ مشران نے اسسٹنٹ کمشنر جمرود کو ایک ہفتے کی مہلت دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ وہ اعلیٰ حکام سے مشاورت کر کے مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات یقینی بنائیں۔ مشران نے خبردار کیا کہ اگر ایک ہفتے کے اندر مسائل حل نہ کیے گئے تو کوکی خیل قوم احتجاجی تحریک شروع کرنے پر مجبور ہوگی، جس کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔ اسسٹنٹ کمشنر جمرود سلمان ہستم نے مشران کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یقین دہانی کرائی کہ تمام مسائل کو افہام و تفہیم کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ ایک ہفتے کے اندر اعلیٰ حکام سے مشاورت کی جائے گی اور کوکی خیل قوم کا پیغام ڈپٹی کمشنر خیبر اور کمشنر پشاور تک پہنچایا جائے گا۔

(منظور آفریدی)

جبہ ڈیم متاثرین کا خیبر ہاؤس کے سامنے احتجاجی کیمپ لگانے کا اعلان

خیبر جمرود جبہ ڈیم، تپہ ملکی خیل اور تپہ مستل خیل کے متاثرین نے اپنے حقوق کے حصول اور 22 نکاتی چارٹر آف ڈیمانڈ پر عملدرآمد نہ ہونے کے خلاف 17 ستمبر (بروز جمعرات) کو پشاور میں خیبر ہاؤس کے سامنے مطالبات کی منظوری تک احتجاجی کیمپ لگانے کا اعلان کر دیا ہے۔ جمرود پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے متاثرین کے نمائندوں محمد عرفان کھٹیا خیل، داؤد خان، حاجی لعل بت خان، فضل الرحمان، ستانہ میر، خیال اکبر اور دیگر مشران نے کہا کہ وہ گزشتہ کئی ماہ سے اپنے جائز حقوق کے لیے حکام کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں۔ مذاکرات اور درخواستوں کے باوجود مسلسل ٹال مٹول اور خاموشی کا سامنا کرنا پڑا، جس کے بعد 2 اگست کو وزیرِ اعلیٰ خیبر پختونخوا کے دورہ؟ جمرود کے موقع پر بھی احتجاجی کیمپ قائم کیا گیا تھا۔ مشران کا کہنا تھا کہ سول انتظامیہ خیبر نے یقین دہانی کرائی تھی کہ متاثرین کی زمین اور رقم کا مکمل حساب دیا جائے گا اور پیمائش کا عمل مکمل کیا جائے گا۔ انتظامیہ کے ان وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے متاثرین نے افسران کے ساتھ مل کر اراضی کے کوآرڈینیٹس لیے، لیکن اس کے باوجود زمین کی پیمائش کا عمل مکمل نہیں کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ لینڈ ایکوزیشن کے قانونی طریقہ کار کے تحت زمین کی پیمائش، حد بندی اور ملکیت کی جانچ بنیادی مراحل ہیں، لیکن اس کے باوجود ہر متاثرہ شخص کا مکمل حساب فراہم نہیں کیا جا رہا۔ ایک طرف تاحال ایوارڈ جاری نہیں ہوا جبکہ دوسری جانب 47 کروڑ 47 لاکھ روپے سے زائد کی رقم ادا کی جا چکی ہے، جو ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔ مشران نے واضح کیا کہ وہ ترقی کے مخالف نہیں اور چاہتے ہیں کہ جبہ ڈیم کا منصوبہ مکمل ہو، لیکن متاثرین کی حق تلفی کسی صورت قبول نہیں کی جائے گی۔ اس لیے انہوں نے 17 ستمبر سے پشاور خیبر ہاؤس کے سامنے احتجاج کا فیصلہ کیا ہے۔

(منظور آفریدی)

پاک ایران قومی شاہراہ کی زبوں حالی اور رکاوٹوں کے خلاف احتجاج

نوشکی پاک ایران قومی شاہراہ کی زبوں حالی اور انتظامی رکاوٹوں کے باعث مسافروں اور ٹرانسپورٹروں کو شدید مشکلات کا سامنا ہے۔ نوشکی، خاران، دالبندین، چاغی، ریکوڈک، سیندک، نوکنڈی اور ماشکیل سمیت درجنوں شہروں کے لاکھوں باشندے روزانہ کوئٹہ آنے جانے کے لیے اس سڑک کا استعمال کرتے ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہنگامی بنیادوں پر تعمیر کی گئی اس بین الاقوامی شاہراہ کو 84 سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود سنگل سرفیس ہی رکھا گیا ہے اور نیشنل ہائی وے اتھارٹی کی عدم توجہی کے باعث یہ شدید زبوں حالی کا شکار ہے۔ صارفین کا کہنا ہے کہ سیکیورٹی چیک پوسٹوں پر چیکنگ کی وجہ سے پہلے ہی تاخیر ہوتی تھی، لیکن گزشتہ دو ماہ سے چیک پوسٹوں کے قریب مین شاہراہ پر رکاوٹیں کھڑی کر کے ٹریفک کو کچے راستوں پر موڑ دیا گیا ہے۔ کچے راستے میں مٹی اڑنے اور ہیوی گاڑیوں کے پھنس جانے سے مسافروں اور ٹرانسپورٹروں کا شدید مالی و جانی نقصان ہو رہا ہے۔ ایمرجنسی کی صورت میں مریضوں اور زخمیوں کو بروقت ہسپتال پہنچانے میں تاخیر کے باعث اموات بھی واقع ہو رہی ہیں۔ ٹرانسپورٹروں اور عوامی و سماجی حلقوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اس بین الاقوامی شاہراہ کی اہمیت، مریضوں کی ایمرجنسی نقل و حرکت اور تجارت کو مدنظر رکھتے ہوئے شاہراہ پر سفر کی بہتر سہولیات اور ہموار ٹریفک کی فراہمی یقینی بنائی جائے۔

(محمد سعید)

سرکاری وردی میں ملبوس ڈاکوؤں کی بڑی واردات، 60 لاکھ روپے لوٹ لیے

باڑہ اکاخیل تھانہ میلوارڈ کی حدود گڈ ملنگ میں رات کے تقریباً 2 بجے ایک سنگین ڈکیتی کی واردات پیش آئی۔ اطلاعات کے مطابق سرکاری وردی میں ملبوس مسلح افراد تلاشی کے بہانے زاہد نامی شہری کے گھر میں داخل ہوئے، اہلخانہ کو یرغمال بنایا اور گھر سے تقریباً 60 لاکھ روپے نقدی لوٹ کر رات کی تاریکی میں فرار ہو گئے۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی پولیس نے جائے وقوعہ سے شواہد اکٹھے کر کے تفتیش کا آغاز کر دیا ہے۔ پولیس اس بات کا سراغ لگا رہی ہے کہ آیا سرکاری وردی کا استعمال کسی منظّم ڈکیتی کا حصہ تھا۔ شہریوں نے ملزمان کی فوری گرفتاری اور علاقے میں سیکیورٹی صورتحال بہتر بنانے کا مطالبہ کیا ہے۔

(مسعود شاہ)

تعلیم

گورنمنٹ ہائی سکول شینکو میں بنیادی سہولیات کا فقدان

باڑہ تحصیل باڑہ کے برقمبر خیل علاقے میں واقع گورنمنٹ ہائی سکول شینکو میں پینے کے صاف پانی، بجلی اور سولر سسٹم کی عدم دستیابی نے طلبہ کی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔ پہاڑی اور دور افتادہ علاقے میں قائم اس سکول کے بچوں کو پینے کے پانی کے حصول کے لیے دورانِ تدریس سکول سے باہر جانا پڑتا ہے، جس سے ان کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔ موسمِ گرما میں بجلی اور مناسب سولر سسٹم نہ ہونے کی وجہ سے تپتے ہوئے کلاس رومز میں گھنٹوں بیٹھنا بچوں کی صحت اور تعلیم پر منفی اثرات مرتب کر رہا ہے۔ طلبہ کے والدین اور علاقہ مکینوں نے محکمہ ؟ تعلیم، ضلعی انتظامیہ اور صوبائی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ گورنمنٹ ہائی سکول شینکو کی صورتحال کا فوری نوٹس لے کر وہاں پینے کے صاف پانی، بجلی اور سولر سسٹم کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے تاکہ بچوں کا بنیادی تعلیمی حق محفوظ ہو سکے۔

(مسعود شاہ)

8 سال سے ٹیچر سے محروم گرلز پرائمری سکول کو اہلِ علاقہ نے تالے لگا دیے

جمرود تودہ میلہ، ہاشم خان کلے (جمرود) میں قائم گورنمنٹ گرلز پرائمری سکول گزشتہ 8 سال سے مستقل خواتین اساتذہ سے محروم ہے۔ ایک بھی مستقل ٹیچر نہ ہونے کی وجہ سے روزانہ سکول آنے والی بچیاں تعلیم حاصل کیے بغیر گھروں کو لوٹنے پر مجبور ہیں۔ اہلِ علاقہ کے مطابق ایجوکیشن آفس کو متعدد درخواستیں دینے کے باوجود کوئی اقدام نہیں کیا گیا، جس کے بعد انہوں نے احتجاجاً سکول کو تالے لگا کر بند کر دیا ہے۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ یہ سکول وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا سہیل آفریدی کے اپنے انتخابی حلقے (PK-70) میں واقع ہے۔ والدین نے وزیر اعلیٰ اور محکمہ ؟ تعلیم کے اعلیٰ حکام سے فوری نوٹس لے کر اساتذہ کی تعیناتی اور تعلیمی عمل کی بحالی کا مطالبہ کیا ہے۔

(مسعود شاہ)

موسمیاتی شدت اور سیلابوں سے دنیا بھر میں لاکھوں سکول بند، یونیسف

پاپوانیوگنی میں 16 سالہ تاؤدی بورا گاروکے سکول کے قریب بہتے نالے میں جب طغیانی آتی ہے تو پانی سکول کے دروازے تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ بیت الخلا سمیت ہر جگہ داخل ہو جاتا ہے جس کے باعث انہیں اپنی تعلیم مکمل کیے بغیر گھر واپس جانا پڑتا ہے۔ تاؤدی بورا کا شمار دنیا کے ان 17 کروڑ سے زیادہ طلبہ میں ہوتا ہے جن کی تعلیم گزشتہ سال موسمیاتی آفات سے بری طرح متاثر ہوئی۔ عالمی ادارہ اطفال (یونیسف) کی جانب سے گزشتہ بدھ کو جاری ہونے والی ایک نئی رپورٹ کے مطابق، یہ تعداد دنیا بھر میں مڈل سے ہائی سکول تک زیرِ تعلیم طلبہ کا تقریباً دسواں حصہ ہے۔ گزشتہ سال طوفانوں نے تعلیمی سرگرمیوں میں سب سے زیادہ خلل ڈالا جن سے تقریباً 11 کروڑ طلبہ متاثر ہوئے۔ اس کے بعد سیلاب اور شدید گرمی کی لہروں کا نمبر آتا ہے۔ ان موسمیاتی آفات کے نتیجے میں سلسلہ تعلیم معطل ہوا، سکولوں کو نقصان پہنچا، بعض جگہ آن لائن یا فاصلاتی تعلیم کا سہارا لینا پڑا، تدریسی وقت میں کمی آئی، حاضری متاثر ہوئی اور لاکھوں بچوں کے سکول چھوڑنے کا خطرہ بڑھ گیا۔ تاؤدی بورا بتاتے ہیں کہ جب طغیانی آتی ہے تو عموماً پانی ان کے گھٹنوں تک آ جاتا ہے اور بیت الخلا کے گڑھے سیلابی پانی سے بھر جاتے ہیں۔ ان حالات میں سکول میں رہنا صحت کے لیے نقصان دہ ہو جاتا ہے اور تعلیم میں خلل آتا ہے۔

غریب ممالک کا بھاری نقصان

رپورٹ کے مطابق، گزشتہ موسمیاتی آفات سے پیدا ہونے والے تعلیمی تعطل سے ہر سطح کی آمدنی والے ممالک کے طلبہ متاثر ہوئے، تاہم متاثرہ بچوں میں سے تقریباً تین چوتھائی کا تعلق کم اور نچلے متوسط درجے کی آمدنی والے ممالک سے ہے۔ ان ممالک کے تعلیمی نظام زیادہ باوسائل نہیں ہوتے جس سے موسمیاتی ہنگامی حالات میں انہیں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ محفوظ اور بحال رکھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ پاکستان بھی ان ممالک میں شامل ہے جو اس بحران سے بری طرح متاثر ہوئے۔ اگست 2025 میں آنے والے مون سون کے شدید سیلاب کے باعث دو کروڑ 80 لاکھ سے زیادہ طلبہ کی سکولوں کو واپسی موخر ہو گئی۔ یہ گزشتہ سال موسمیاتی آفات کے باعث تعلیم میں پیش آنے والا سب سے بڑا تعطل تھا۔ اسی طرح، مصر میں اپریل 2025 کے دوران آنے والے گرم ہواؤں کے طوفان کے باعث ملک بھر میں ایک روز کے لیے تعلیمی ادارے بند کرنا پڑے جس سے 2 کروڑ 80 لاکھ سے زیادہ طلبہ متاثر ہوئے۔

لڑکیوں کے لیے بڑھتے خطرات

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ، موسمیاتی آفات کے باعث سکول بند ہونے یا تعلیمی سرگرمیاں متاثر ہونے کی صورت میں لڑکیوں کے سکول چھوڑنے کا امکان لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ جب سکولوں اور صفائی ستھرائی کی سہولیات کو نقصان پہنچتا ہے، خاندان بے گھر ہو جاتے ہیں اور آمدنی کے ذرائع متاثر ہوتے ہیں تو لڑکیوں پر گھر کی دیکھ بھال اور پانی لانے جیسی اضافی ذمہ داریاں آ جاتی ہیں۔ ان حالات میں ان کے لیے کم عمری میں شادی پر مجبور کیے جانے کا خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے اور ایسی شادی کے بعد ان کے لیے تعلیم کی طرف واپس آنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

طویل مدتی منفی نتائج

یونیسف کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر کیتھرین رسل نے کہا ہے کہ لاکھوں بچوں کے لیے موسمیاتی آفات صرف اسباق میں خلل ڈالنے تک محدود نہیں رہتیں، بلکہ یہ سکولوں کو تباہ کر دیتی ہیں، خاندان بے گھر ہو جاتے ہیں اور سب سے زیادہ کمزور بچوں، خصوصاً لڑکیوں کے لیے تعلیم سے دائمی محرومی کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اگر بچوں کے تحفظ اور تعلیم کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لیے واضح اور موثر اقدامات نہ کیے گئے تو گزشتہ سال موسمیاتی آفات کے باعث تعلیم سے محروم ہونے والے طلبہ اپنی عملی زندگی میں مجموعی طور پر 200 ارب ڈالر کی آمدنی سے محروم ہو سکتے ہیں۔ کیتھرین رسل کا کہنا ہے کہ تعلیم کو تحفظ دینے کے لیے موسمیاتی خطرات کے مقابلے میں زیادہ مضبوط اور پائیدار تعلیمی نظام اور بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری کرنا ہوگی تاکہ بچوں کی تعلیم محفوظ رہ سکے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

دنیا بھر میں تعلیمی اداروں پر حملوں میں ریکارڈ اضافہ، رپورٹ

اگرچہ شمالی نصف کرے میں ستمبر کو عموماً نئے تعلیمی سال کے آغاز کا مہینہ سمجھا جاتا ہے لیکن کئی خطوں میں تعلیمی اداروں اور تعلیم پر حملوں کے باعث 9 کروڑ 30 لاکھ بچے سکول نہیں جا رہے۔ عالمی تعلیمی فنڈ 'ایجوکیشن کین ناٹ ویٹ' (ای سی ڈبلیو) کے مطابق، بدامنی اور دیگر عوامل کے باعث 87 ممالک میں مجموعی طور پر 25 کروڑ 80 لاکھ بچے شدید تعلیمی خلل کا شکار ہیں۔ تعلیم کو حملوں سے تحفظ دینے کے عالمی دن پر 'ای سی ڈبلیو' نے کئی خطوں کی صورتحال کو بڑھتے تنازعات اور عالمی اصولوں کے بتدریج کمزور ہونے کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ بحران زدہ علاقوں میں تعلیم کے لیے کام کرنے والے اس ادارے کی ڈائریکٹر یاسمین شریف نے کہا ہے کہ جب کسی بچے کو برسوں تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے تو اس کے نتائج گہرے ہوتے ہیں۔ بچے خواندگی کی بنیادی صلاحیتیں بھول جاتا ہے، معمولات زندگی متاثر ہوتے ہیں اور اس کا مستقبل اساتذہ کے بجائے جنگی مقاصد کے لیے بھرتی کرنے والوں یا انسانی سمگلروں کے ہاتھ میں جانے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ 'ای سی ڈبلیو' کی شراکت سے تیار کردہ رپورٹ کے مطابق، 2024 اور 2025 میں تعلیم پر حملے اور سکولوں کو مسلح تنازعات میں استعمال کیے جانے کے واقعات ریکارڈ بلند سطح پر پہنچ گئے۔ طلبہ اور تعلیمی عملے کے ہلاک، زخمی، اغوا یا کسی اور طرح متاثر ہونے کے واقعات بھی اس سے پہلے کبھی اتنی بڑی تعداد میں سامنے نہیں آئے۔ 28 ممالک میں تعلیم کو حملوں کا نشانہ بنایا گیا جبکہ سکولوں اور یونیورسٹیوں کو عسکری مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔

مجموعی طور پر تعلیم پر کم از کم 9259 حملے ریکارڈ کیے گئے جن میں 3600 سے زیادہ حملے سکولوں پر ہوئے۔ یہ تعداد 2022 اور 2023 کے مقابلے میں 50 فیصد سے زیادہ اضافہ ظاہر کرتی ہے۔ مسلح تنازعات سے متاثرہ علاقوں میں 10600 سے زیادہ طلبہ اور اساتذہ ہلاک، زخمی یا اغوا ہوئے جبکہ سکولوں کے عسکری استعمال کے واقعات بھی دوگنا بڑھ گئے۔

جنگی قوانین کی خلاف ورزی

اقوام متحدہ کے تعلیمی، سائنسی و ثقافتی ادارے (یونیسکو) نے فریقین پر زور دیا ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون کی پابندی کریں اور تعلیمی اداروں کو حملوں سے محفوظ رکھیں۔ ادارے کے مطابق، دنیا بھر میں سکول جانے سے محروم اور بحرانوں سے متاثرہ بچوں میں تقریباً 80 فیصد یا 7 کروڑ 40 لاکھ کا تعلق صرف 20 ممالک سے ہے۔ ان ممالک میں بھی سب سے زیادہ کمزور بچے تعلیم کے حصول میں شدید رکاوٹوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ 74 فیصد مہاجر بچے، 52 فیصد اندرون ملک بے گھر اور 45 فیصد معذور بچے سکول نہیں جا سکتے۔

حکومتی افواج کا بڑھتا تشدد

اقوام متحدہ کے مطابق، 2025 میں 24174 بچے مسلح تنازعات سے متاثر ہوئے جبکہ بچوں کے حقوق کی خلاف سنگین پامالی کے 38385 واقعات کی تصدیق ہوئی۔ بچوں کا قتل اور انہیں زخمی کیا جانا ان کے حقوق کی سب سے عام خلاف ورزیوں میں شامل رہا جس سے 14224 بچے متاثر ہوئے۔ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی بچوں اور مسلح تنازعات سے متعلق سالانہ رپورٹ کے مطابق، بچوں کو مسلح تنازعات میں بھرتی اور استعمال بھی کیا گیا، انہیں اغوا کیا گیا اور انسانی امداد سے بھی محروم رکھا گیا۔ ایسے سب سے زیادہ واقعات اسرائیل اور مقبوضہ فلسطینی علاقے میں ریکارڈ کیے گئے جس کے بعد جمہوریہ کانگو، نائجیریا، میانمار اور صومالیہ کا نمبر آتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق، پہلی مرتبہ بچوں کے حقوق کی بیشتر سنگین پامالیاں حکومتی فورسز کے ہاتھوں ہوئیں۔ 'ای سی ڈبلیو' کی مہم بعنوان 'امید یہاں سے شروع ہوتی ہے' کے تحت دنیا کے مشکل ترین حالات سے دوچار ایک کروڑ بچوں کو محفوظ اور معیاری تعلیم تک رسائی فراہم کرنے کے لیے 60 کروڑ ڈالر فراہم کرنے کی اپیل کی گئی ہے۔ (بشکریہ یو این خبرنامہ)

پشاور صدر میں باڑہ کے 3 طلبہ پر مبینہ تشدد، وزیر اعلیٰ سے نوٹس کا مطالبہ

پشاور پشاور صدر میں ٹریفک پولیس اہلکاروں کی جانب سے باڑہ کے 3 طلبہ پر مبینہ تشدد اور زبردستی صلح نامے پر دستخط کروانے کے خلاف متاثرہ نوجوانوں نے باڑہ پریس کلب میں ہنگامی پریس کانفرنس کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا، سی سی پی او پشاور اور اعلیٰ حکام سے فوری نوٹس کا مطالبہ کیا ہے۔ آرمی پبلک سکول کے طالب علموں مدثر آفریدی، ثاقب آفریدی اور صلاح الدین آفریدی نے الزام عائد کیا کہ ٹریفک اہلکاروں نے انہیں موٹر سائیکل سے گرا کر تشدد کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے بتایا کہ جب اہلکاروں کو معلوم ہوا کہ ان کا تعلق باڑہ سے ہے تو ان پر بدمعاشی کا الزام لگا کر ایک چھوٹے کمرے میں بند کر کے تشدد کیا گیا اور ان کی جیب میں موجود 12 ہزار روپے بھی چھین لیے گئے۔ طلبہ نے الزام لگایا کہ ان کی مرضی کے خلاف زبردستی صلح نامے پر دستخط کروائے گئے۔ انہوں نے کہا کہ پولیس کا کام شہریوں کو تحفظ فراہم کرنا ہے، لہٰذا اس واقعے کی شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کر کے ذمہ دار اہلکاروں کے خلاف قانون کے مطابق سخت کارروائی کی جائے۔

(منظور آفریدی)

پولیو ٹیم کی سیکیورٹی پر مامور 2 پولیس اہلکار فائرنگ سے شہید

نوشکی 22 ستمبر کو نوشکی کے قریب کلی جمال آباد میں بچوں کو پولیو سے بچاؤ کے قطرے پلانے والی ٹیم کی سیکیورٹی پر مامور پولیس اہلکاروں پر نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر دی۔ فائرنگ کے نتیجے میں 2 پولیس اہلکار (محمد یاسر پرکانی اور عبدالروف مینگل) شدید زخمی ہوئے اور بعدازاں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گئے۔ نامعلوم ملزمان شہید اہلکاروں کا اسلحہ بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ ٹیچنگ ہسپتال نوشکی میں ضروری قانونی کارروائی کے بعد لاشیں ورثا کے حوالے کر دی گئیں۔ شہید محمد یاسر پرکانی کو نوشکی شہر اور عبدالروف مینگل کو ڈیڈار میں سرکاری اعزاز (گارڈ آف آنر) کے ساتھ سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جنازے میں ایس پی نوشکی سلیم جاوید شاہوانی، ڈی ایس پی جہانزیب حبیب، ایس ایچ او نوشکی سٹی، پولیس اہلکاروں اور شہریوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ (محمد سعید)

ماورائے عدالت قتل
(تجزیاتی یادداشت)

گلگت ملکی و بین الاقوامی قوانین میں انسان کا سب سے مقدم اور بنیادی حق "جینے کا حق" (Right to Life) ہے۔ اس لیے کسی بھی انسان کا قتل ایک قابلِ سزا جرم ہے، جب تک کہ اسے کسی عدالت سے پیشگی قانونی جواز یا قانون کے مقررہ طریقے (Due Process) کا تحفظ حاصل نہ ہو۔ ماورائے عدالت ہلاکتوں کا سلسلہ دہائیوں سے جاری ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی منشور کے ساتھ ساتھ آئین پاکستان 1973ء کے تحت بھی ہر شہری کو جینے کا بنیادی حق حاصل ہے اور ریاست اس کی ضامن ہے۔ البتہ اگر سیکیورٹی فورسز یا پولیس اپنے دفاع میں کوئی اقدام کریں اور بعد میں عدالت میں سیلف ڈیفنس ثابت کر دیں تو وہ ماورائے عدالت قتل کے زمرے میں نہیں آتا۔ تاہم، اگر کوئی ملزم یا مجرم پولیس یا سیکیورٹی اداروں کی زیرِ حراست ہو اور قتل ہو جائے تو قانون کی نظر میں اسے "قتلِ عمد" ہی تصور کیا جاتا ہے۔ (نوٹ: ماورائے عدالت ہلاکتیں بالخصوص سیاسی عدمِ استحکام، آمریت یا کمزور طرزِ حکمرانی والے ادوار میں بڑھ جاتی ہیں، جو کہ آئین اور انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزی ہے۔)

(مسعود شاہ)

اقلیتیں

جماعت احمدیہ کے مقامی عہدے دار کو ہدف بنا کر سرعام قتل کر دیا گیا

چناب نگر گزشتہ روز 2 ستمبر 2026 کو سر شام تھانہ سٹی منڈی بہاؤالدین کی حدود میں عیدگاہ کے دروازے کے قریب جماعت احمدیہ کے مقامی عہدے دار مرزا صفدر محمود صاحب بعمر 65 سال کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ زخموں کی تاب نہ لا کر وہ موقع پر جاں بحق ہو گئے۔ وہ گاڑیوں کی مرمت کی ورکشاپ چلاتے تھے۔ وہ ورکشاپ سے احمدیہ بیت الذکر کی طرف جا رہے تھے جب نامعلوم حملہ آور نے ان پر فائرنگ کر دی۔ وہ ایک شریف النفس انسان تھے اور ان کی کسی سے ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ ان کی تدفین ربوہ میں کی جا رہی ہے۔ ان کے پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے شامل ہیں۔ ترجمان جماعت احمدیہ پاکستان عامر محمود نے اس بہیمانہ قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ احمدیوں کو قتل کرنے اور نفرت وتشدد کا بیانیہ فروغ دینے والوں کو قانون کے کٹہرے میں کھڑا کر کے قرار واقعی سزا دینے کی اشد ضرورت ہے۔ ملک کے دیگر حصوں کی طرح منڈی بہاؤالدین میں بھی احمدیوں کے خلاف مہم چلتی رہی ہے اور احمدیوں کے خلاف اشتعال پھیلایا جا رہا ہے۔ یہاں تک کے منڈی بہاؤالدین میں بعض نام نہاد مولویوں نے حاملہ احمدی عورتوں کے حمل گرانے جیسی بھیانک دھمکیاں علی الاعلان دیں اور ایک احمدی پولیس آفیسر کی منڈی بہاؤالدین میں تعیناتی کے خلاف مہم چلاتے ہوئے اس احمدی پولیس آفیسر کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔ منڈی بہاؤ الدین کے علاقے سعد اللہ پور میں 8 جون 2024ء کو ایک ہی دن میں 2 احمدیوں کو دن دیہاڑے سرعام قتل کر دیا گیا تھا۔ 16 مئی 2025 کو سرگودھا میں قتل ہونے والے احمدی ڈاکٹر شیخ محمد محمود صاحب کا قاتل بھی تاحال قانون کی گرفت میں نہیں آیا۔ ترجمان جماعت احمدیہ نے پاکستان میں احمدیوں کے خلاف متعصّبانہ نفرت انگیز مہم کو روکنے اور قتل کے سفاکانہ جرم میں ملوث اور ذہن سازی اور سہولت کاری کرنے والوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے اور انہیں قانون کے مطابق کڑی سزا دے کر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا ہے۔

(عامر محمود)

خیبر پختونخوا میں سکھ شادیوں کے لیے جامع قانون سازی آنند کارج بل اہم مرحلے میں داخل

خیبر پختونخوا خیبر پختونخوا میں سکھ برادری کی شادیوں کی رجسٹریشن، قانونی شناخت اور عائلی معاملات کے لیے جامع قانونی نظام متعارف کرانے کی کوششوں میں پیش رفت ہوئی ہے اور مجوزہ خیبر پختونخوا سکھ آنند کارج بل 2026 کو قانونی جانچ کے بعد صوبائی کابینہ اور اسمبلی کے سامنے پیش کرنے کے عمل پر کام جاری ہے۔ اس سلسلے میں خیبر پختونخوا اسمبلی کی پارلیمانی کاکس برائے اقلیتی امور کے زیر اہتمام بلیو وینز اور قومی کمیشن برائے انسانی حقوق (این سی ایچ آر) کے اشتراک سے ایک خصوصی مشاورتی اجلاس منعقد ہوا، جس میں اراکین صوبائی اسمبلی، پارلیمانی کاکس کے اراکین، سکھ اور دیگر اقلیتی برادریوں کے نمائندوں، صوبائی حکومت اور اسمبلی سیکرٹریٹ کے حکام، انسانی حقوق کے نمائندوں، سول سوسائٹی اور میڈیا نے شرکت کی۔

(مسعود شاہ)

دسویں جماعت کی ہندو طالبہ کو اغوا کر لیا گیا

سانگھڑ شہداد پور شہر میں دسویں جماعت کی ہندو طالبہ کو مبینہ طور پر اغوا کر لیا گیا، ورثاء پریشان، ایف آئی آر درج نہ ہو سکی۔ شہداد پور شہر کے میمن محلے کے رہائشی کشور والمکی کی بیٹی بھومیکا کو مبینہ طور پر اغوا کر لیا گیا۔ طالبہ کی والدہ مسز نیمن کا کہنا ہے کہ دسویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد ان کی بیٹی گیارہویں جماعت میں شامل ہونے کے لیے اسکول گئی تھی، جہاں سے واپس آتے ہوئے اسے مبینہ طور پر اغوا کر لیا گیا۔ والدہ کے مطابق واقعے کے بعد ورثاء شدید پریشانی کا شکار ہیں۔ پولیس نامعلوم ملزمان کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کر رہی۔ دوسری جانب کچھ غیر مصدقہ اطلاعات کے مطابق طالبہ کو اغوا نہیں کیا گیا بلکہ اس نے اپنی مرضی سے گھر چھوڑ کر ایک مسلمان شخص سے شادی کی ہے۔

(ابراہیم خلجی)

بزرگ احمدی شہری فائرنگ سے زخمی

سرگودھا گزشتہ روز سرگودھا میں احمدی برادری سے تعلق رکھنے والے جناب ملک محمود مبارک (70 سال) اور ان کے بیٹے جناب ایاز مبارک (40 سال) پر بزدلانہ ٹارگٹڈ فائرنگ کی گئی۔ حملہ آوروں نے اس وقت ان کی گاڑی پر فائرنگ کی جب وہ گھر واپس جا رہے تھے، جس کے نتیجے میں باپ بیٹا دونوں زخمی ہو گئے۔ اگرچہ دونوں احمدی اس حملے میں محفوظ رہے، لیکن برادری کے افراد کے خلاف مسلسل تشدد انتہائی تشویشناک ہے۔ حکام کو ان کے فوری تحفظ کو یقینی بنانا چاہیے، ذمہ داروں کو گرفتار کرنا چاہیے اور مزید حملوں کو روکنے کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں۔ اطلاعات کے مطابق 7 ستمبر 2026 کو مین یونیورسٹی روڈ، سرگودھا پر احمدیوں کے خلاف نفرت اور تشدد کے لیے اکسانے والے پیغامات پر مشتمل بینرز آویزاں کیے گئے تھے۔ حکام کو اس کا فوری نوٹس لینا چاہیے اور نفرت پھیلانے اور تشدد پر اکسانے کے ذمہ دار عناصر کے خلاف کارروائی کرنی چاہیے۔ (عامر محمود)

5 سالہ بچی کو قتل کر دیا

ٹنڈو آدم 12 اگست 2026ء کو ایک 5 سالہ بچی اپنے والد کے ساتھ تبلیغی مرکز ٹنڈو آدم میں نماز پڑھنے گئی تو اچانک گم ہو گئی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد جب اس کی تلاش شروع کی گئی تو وہ کہیں نہیں ملی۔ بالآخر شام کے وقت مدرسے کے اندر کمرہ جماعت کے پیچھے اس کی لاش ملی۔ پولیس نے مدرسے کے ایک طالب علم قاسم ولد عبیداللہ کنڈانی کو گرفتار کر لیا جس نے جرم کا اعتراف کر لیا۔ ملزم کا کہنا تھا کہ اس نے پہلے بھی کئی بچیوں کے ساتھ زیادتی کی ہے اور اس بچی کے ساتھ بھی زیادتی کرنے کے بعد گلا گھونٹ کر اسے قتل کر دیا۔ بچی کی لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لیے اسے ٹنڈو آدم ہسپتال لے جایا گیا جہاں لاش کئی گھنٹے پڑی رہی۔ ہسپتال انتظامیہ کا کہنا تھا کہ ان کے پاس پوسٹ مارٹم کے لیے ضروری سامان موجود نہیں ہے۔ بعد ازاں بچی کے چچا نے ذاتی پیسوں سے میڈیکل اسٹور سے ادویات و سامان خرید کر دیا، تب جا کر پوسٹ مارٹم کیا گیا۔ رات گئے بچی کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ ہسپتال میں کئی مہینوں سے سول سرجن موجود نہیں ہے اور لاکھوں روپے کا بجٹ رکھنے والے اس ہسپتال میں ادویات تک دستیاب نہیں ہیں۔

(محمد ابراہیم خلجی)

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔اس وقت سے،ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد،محکمہ جاتی مسائل،اقلیتوں کے حقوق،جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب،جبری گمشدگیوں،سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔تاہم،مالی معاونت،سیاسی پناہ،جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں،واٹس ایپ کر سکتے ہیں،ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور

ایوان جمہور۔107 ٹیپو بلاک،نیو گارڈن ٹاؤن،لاہور 54600
فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969
ای۔میل : hrcp@hrcp-web.org
ویب سائیٹ : www.hrcp-web.org
مرکز شکایات سیل
فون : +92 042 3584 5969
موبائل : + 92 0333 200 6800
ای میل : complaints@hrcp-web.org

کراچی

یونٹ نمبر 08،فلور 1
سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس)
عبداللہ ہارون روڈ
صدر، کراچی۔74400
فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132
شکایات سیل (موبائل) : +92 315 111 6287
ای میل : karachi@hrcp-web.org

پشاور

303-TF، ڈینز پلازہ،
بالمقابل سٹیٹ بینک آف پاکستان،صدر،پشاور
فون : +92 091 527 6909
موبائل: 0318 950 0640
شکایت سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640
ای میل peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد

آفس 1-B،فلور 2
بلاک ڈی-12،(اوپر فیصل بینک)
جی 8،مرکز،اسلام آباد
فون : +92 51 835 1127
شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773
ای میل : islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ

فلیٹ نمبر C-6
کبیر بلڈنگ
ایم۔اے جناح روڈ،کوئٹہ
فون : +92 81 282 7869
شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125
ای میل : quetta@hrcp-web.org

حیدر آباد

306- فائزہ آرکیڈ،(لوفٹ اینڈ میزانائن فلور)
نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ
صدر کنٹونمنٹ،حیدرآباد
فون : +92 22 278 3688, 720 770
فیکس : +92 22 278 4645
شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222
ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان

2511/5A ابدالی کالونی
نزد بریٹین سکول
ملتان
فون : +92 61 451 7217
شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529
ای میل : multan@hrcp-web.org

گلگت

آفس نمبر 8-9،رانگ یل پلازہ
جماعت خانہ روڈ،ذوالفقار آباد کالونی،
جتیال،گلگت
موبائل : +92 0344 547 5553
شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088
ای میل : gilgit@hrcp-web.org

تربت/مکران

پرواز ہاؤس،
بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
پسنی روڈ،تربت،کیچ
فون : +92 852 413 365
شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406
ای میل : turbat@hrcp-web.org

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پر امن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح وبہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہء قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح وبہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ